

رسالہ
تقویم اللسان
ابولفسر

خان بہادر شمس العلیار موی محمد ذکا ر اللہ فیلوالہ آبادیونی مرثی

۱۸۹۳ء

عیسوی

مطبع شمس المطابع دہلی میں باہتمام منشی محمد عطاء اللہ مطبوع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکثر زبانیں ایسی ہیں کہ جنہیں ہر ایک میں ایسا علم موجود ہے کہ وہ عالم کریمینا میں نہیں ہوتا۔ زبان گستاخگر و نوافل
 ہی کے زیادہ دانشور نہیں ہوتی بلکہ ان عالموں کی ہی یاد دہانہ ہوتی ہے جو اس کو بتاتے ہیں زبان کا حال بکا سا ہوتا
 کہ جسکے چاروں طرف حقائق محققہ و کمالات برقی چمکتے ہیں زبان کا حال محی کا سا ہوتا کہ جس پر محی مرد و نکلی لاشوں کو
 مدتوں تک برقرار رکھتی ہو ایسی ہی زبان قدیمی علم و دانائی کو سلامت رکھتی ہے جو اس کے پہچانے و اظہار پر ہی ہوں۔
 زبان کا حال فحش کا سا ہو جیسے فحش میں بہانات حیوانات متحجر ہوں گے اپنی حسا کو دکھانے میں ایسی ہی زبان میں علم و دانش
 ایک نیک رنگ کی صورت بنا کے ابا جال نکلتے ہیں بعض فقرہ زبان ان حقائق صافہ کو مفضل کر کے رکھ کر جو برقی ہو جو
 پہلے زیادہ میں سب کو معلوم تھیں مگر زمانہ کو انقلابات حادثات انکو نظر سے غائب کر کے فراموش کر دیتا تھا اسکی سہرا میں
 تخم چھپے ہوئے ہوتے ہیں جو سوا عارفان الہی کسی کو صاف نظر نہیں آتے۔ زبان کہ استعارات و مجاز جو روحانی حقائق
 مادی ہوتے ہیں اپنی جڑ میں بہت سہجے جیالات بلند کو دبائے ہوئے ہیں کہ جنکی کاوش میں حکیم عاجز و غار متحیر
 دانائی کی شعا علی جوافق کے پیچے ہوتی ہیں انکو غور کرنے والوں کو زبان اس طرح دکھا دیتی ہے جیسے کہ وہ شعا علی سماں
 سے اترتی ہیں۔ زبان ان ہزاروں بیش بہا اور نازک جیالات کمالات محفوظ و برقرار رکھتی ہے جو ذہانت کی
 انکسٹری سے نکل کر کجلی کی طرح چمک کر غائب ہونے والے تھے۔ زبان ہی عقلی خزانے ایک سلسلے سے
 دوسری سلسلے میں پہنچاتی ہے جس جہت بان میں خوبیاں توں جو خیر خواہ ملک انجمن ملک میں تہذیب و تعلیم کی اشاعت
 کا شوق دل سے کہتا ہو اسکا یہ فرض ہے کہ وہ سب اول اپنی مادری زبان کو جو سب سے زیادہ محبت و توجہ کی مستحق
 مہذب شائستہ بنا۔ زیادہ جیاد اور سب چیزوں پر چھڑائی و ناز لگاتا ہو ایسا ہی ہماری زبان کی سچے ہی پس ہر
 لازم ہے کہ ان خزانوں کے اسکا چھپا چھپائیں اسکو ساری آلائشوں پاک صاف کریں بے عیب و نقص اسکو بنا
 کسی تاریکی کو اس کے باسن آنے دیں۔ ہماری زبان جسکو مسلمان اردو اور گورنمنٹ ہندوستانی کہتی ہے عجیب کشمکش
 بڑھتی ہے۔ زبان میں چیزیں ہیں ایک لفظ دوسرے خیالات و الفاظ بیشمار ہیں غیر زبانوں کے موجود ہیں اور مخلوط ہوں
 جاتے ہیں آری زبانوں میں اکثر زبانوں کے الفاظ اس میں موجود ہیں جو خود اور انکے اشتقاق دقت میں آئے ہیں خیلا
 مشرقی و مغربی انیسویں ہنگامہ آرائی کہ ہے ہیں ایران و دونوں ملکوں کے دور کرنے کیوں نہ کہ کتاب کی ہی جسکی اسم اعظم
 یہ سالہ ہے۔ اور آگے اور سبق تیار کر رہا ہوں مجھے یقین ہے کہ جب کتاب پوری ہو جائیگی تو ہماری زبان کی
 مشکلات آسان کرنے کی راہ معلوم ہو جائے گی فقط

باب اوّل

انسان اور اسکی زبان

(۱) انسان کے نام جنسے وہ ممیز از حیوان ہوتا ہے +
 انسان کے جو حالات ایسے ہیں کہ وہ اس کو کل حیوانات پر شرف دیتے ہیں نیز حکماء زبان سے
 نظر کر کے انسان کے نام ایسے بہت سے رکھے ہیں جن سے اس کی تعریف ہوتی ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے
 انسان کا ایک نام مذہبی حیوان رکھا گیا ہے جن حیوانوں سے ہم انکے افتقار ہوئے
 ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں دیکھا کہ مذہب کا خیال رکھتا ہو۔ کوئی جماعت اسکی عبادت
 الہی کے لئے جمع ہوتی ہو۔ وہ انعامات الہی کا شکر یہ بجالاتی ہو۔ اپنی ہستی کو سمجھتی ہو کہ وہ
 حقیقہً ایزدی ہے۔ وہ اعمال کی باز پرس کو جانتی ہو کہ نیک اعمال کی جزا اور بد اعمال کی
 سزا ملے گی۔ غرض نہ کسی حیوان کو جبرائی امید ہے نہ سزا کا خوف۔ مگر اس میں شک نہیں کہ انکی
 طبیعت میں ایسی باتیں ضرور ہوتی ہیں کہ جو انسان کے اخلاق میں داخل ہیں۔ وہ اپنی
 اولاد سے محبت رکھتے ہیں۔ انسان کی طرح وہ ہوا و ہوس و حرص و حب جاہ کی بلاؤں
 میں مبتلا نہیں ہوتے۔ انسان سے زیادہ انہیں قناعت ہوتی ہے مگر جو نیکیاں و برائیاں
 انہیں ہیں وہ فطرتی ہیں انکے اپنی ہی اسلئے ان پر اخلاق کا اطلاق اس طرح نہیں ہو سکتا
 جیسا کہ انسان کی برائیوں اور نیکیوں پر +

ایک نام انسان کا بولی نکل حیوان یعنی سیاست ماں کا عالم رکھا گیا ہے۔ کوئی حیوان ایسا
 نہیں کہ سیاست ماں کی اصول سے واقف ہو۔ وہ تقسیم محنت کے فوائد سے آگاہ ہو۔ ہر حیوان

بہی خدا آپ ہم ہونچا ہے۔ اپنا گھوسلا آپ بناتا ہے۔ اپنا سر آپ کام کرتا ہے۔ ہسکی
کوئی فرد یا جماعت ایسی نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے فرد یا جماعت کے لئے کام کرتی ہو اور اسکو
فائدہ ہونچائی ہو۔ ایک کی محنت سے دوسرا استفادہ کرتا ہوتا نہیں مگر یہ سوچیں کہ نہ مجسٹ
کہ اسے جھگڑے چٹایا کریں چند منٹے صورتیں ہیں کہ حیوانات بھی اپنی تمدنی حالت کو اور ایک
سلطنت کی صورت کو جیسی کہ شہد کی مکھیاں ہیں دکھاتی ہیں۔ ان میں یہ قانون جاری ہے
کہ مادہ سلطنت کیا کرے +

ایک اور نام انسان کا حیوان طبع رکھا گیا ہے اسلئے کہ یہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص
ہے کہ وہ خوراک کو کچالے کھاتا ہے۔ اور حیوان خواہ وہ گوشت خوار ہوں یا نباتات کھاتے ہوں
جیسی انکو خوراک ملتی ہے ویسی ہی وہ نوش جان کرتے ہیں۔ پکانے کا جھگڑا ساتھ نہیں رکھتے
پرندے کیرول کو یونہی کھاتے ہیں اور بانوئیں نہ بھونتے ہیں نہ کباب پاتے ہیں۔ یہ تو حضرت انسان
ہی ہیں کہ اکثر اپنی خوراک پہلے کھانے سے پکانے میں۔ کچھ بھوڑے ہی سے میوے ایسے ہیں
جن کو کچا تناول فرماتے ہیں جو حال کھانے کا ہو وہی پینے کا ہو کہ حیوان تو صرف پانی پیتے
ہیں یہ حضرت بانی کے سوا شربت پیک کے اور شراب و عرق بھیکوں میں گجوا کے پیتے ہیں غرض
ان حضرت کے سوا کسی حیوان نے اپنے پیچھے چوٹے بھاڑ کا جھگڑا نہیں لگایا اور اپنی آتش
استہا کو آگ سے نہیں بجھایا +

انسان کا ایک اور نام حیوان آسمان بھی رکھا گیا ہے سارے حیوانات اپنے کل کام
انہیں قدرتی آلات سے انجام دیتے ہیں جو خدا نے انکو دیے ہیں دیکھ لو کہ وہ اپنی غذا ہم سمجھانے
میں اور اپنا مسکن بناتے ہیں کسی مصنوعی اوزار کے محتاج نہیں۔ مگر اس کلمہ نے آلات اور کلیہ
بنائی ہیں جبکو وہ کام میں لا کر اپنے شئیں محنت سے بچاتا ہے اور نہایت خوش اسلوبی بہت
جلد بآسانی کام بناتا ہے اگر وہ یہ نہ کرتا تو اسکو ہر محنت شادہ اٹھانی پڑتی۔ اگر پہل
نہ بناتا تو زمین کے گردنے میں انگیوں کا جوہر نکالتا +

ایک اور نام آدمی کا حیوان اسلئے ساز رکھا گیا ہے۔ فقط یہی حضرت اپنے دشمنوں سے
ہتیار ہنہ کے لئے ہیں اور سب بفر تو اپنے دشمنوں انہیں قدرتی ہتیاروں سے لڑتے ہیں

جو خدائے اگودے میں جیسے کہ سینک - ناخن - دانت - پنجے - زہر - انہیں سے وہ اپنے دشمنوں پر وار کرتے ہیں۔ مگر انسان نے اپنے قدرتی اسلحہ کے ساتھ مصنوعی اسلحہ کا اور اضافہ کیا ہے جن گلوں کو کاٹا - کانوں کو کھودا - لوہا لگا لگا - بے کیمیائی علموں کو اور بڑا کر اسلحہ جہاں ستاں تیار کئے جسے اپنے اپنے جنس کو ایسی برہمی سے قتل کرتا ہے کہ کوئی اور نوع حیوان انہیں کرتی - یہ نام اسکا شرمناک ہے۔ کہتے ہیں کہ آج کل سائنس اور آرٹ جو صدمہ طبع کے اسباب سائنس و راحت تیار کر رہے ہیں - ان کے ساتھ آلات جہاں ستاں بھی وہ عصمت تیار کرتے ہیں جو انسان کے عیش و آرام کو تلخ کرتے ہیں جبکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک قسم کے بندر ایسے ہوتے ہیں کہ وہ لکڑیاں اور درختوں کی شاخیں ہاتھوں میں لے کر ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو یہ تعریف انسان کی مجر جھری ہو گئی ہے - انسان اسے بھی خوشی ہوا ہے کہ اگر یہ صفت پیدا بھی ہوئی ہے تو بندروں میں جو اسے اور حیوانوں کی نسبت میں قرابت قریبہ کہتے ہیں - انسان کا نام حیوان ضاحک یعنی ہنسنے والا رکھا گیا ہے گو حیوان اسکی طرح ہنسنے والا نہیں دیکھا گیا - اس زمانہ کی تحقیقات نے ان تعریفوں کو جامع و مانع نہیں رکھا کہ وہ کل انسانوں پر صادق آئے - اور کوئی فرد حیوان سمجھنا داخل نہ ہوئے بلکہ مدد زور و زلف کثافت تحقیقات حیوان کے درجے کو بڑھاتی جاتی ہے یہاں تک تو اسکی نوبت پہنچ جاتی ہے کہ بندری کو مہذب بنا کے انسان بنایا ہو - اور اس کے سب باتوں کو جواب پر بیان ہوئی ہیں ایسا ارادہ کیا جیسا کہ گدھے کے سر پر سینک مگر ایک تعریف ایسی اب تک باقی ہے جو محققین کے ہاتھ سے بچی ہوئی ہے - اور یقین ہے کہ وہ ہمیشہ بچی رہے گی مگر آئندہ کی حد کو خبر ہے وہ تعریف انسانی حیوان نامق ہو چکی ہے کہ مفصل بیان ہم چھپ کر کر رہے ہیں

(۳) الفاظ - کلمات - زبان علی العموم *

خدا تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی سرشت میں یہ میلان رکھا ہے کہ وہ اور گویوں کے ساتھ مل جل کر رہے اسکے بغیر اسکا صیاد ہوتا رہے - ایسے اسکو ایک نعمت عظمیٰ گویائی کی عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنی معلومات ذہنی اور مافی الضمیر کو آوازوں کے ذریعہ اور در و پیر ظاہر کرے - ان آوازوں کے نکالنے کے لئے جوارح حمایت فرمائے مگر وہ مخصوص انسان کے ساتھ

ہمیں کئے۔ طوطے مینا اور در پرندوں کو بھی عطا ہوئے ہیں کہ سیکھنے سے وہ انسان کی بولی کی نقل اُتار سکتے ہیں مگر ان جانوروں کی بولی اور ہے اور نطق انسانی اور ہے۔ ع

لاکھ طوطے کو بڑا یا پروہ حیوان ہی رہا۔

(۳) تصور کے لئے الفاظ کا یا کلمات کا علامات عامہ بننا۔

جنیروں کی صورتیں جو ذہن میں پیدا ہوتی ہیں ان صورتوں کو تصور کہتے ہیں یعنی ہر ایک چیز کے لئے جو ایک خیال ذہن میں ہے وہی خیال اس چیز کا تصور ہے۔ جب ہم کسی چیز کا خیال کریں اسے جو کہہ رہے ہیں ذہن میں آئے وہ تصور ہے۔ اب اس تصور کی دو قسمیں ہیں ایک قسم اسکی یہ ہے کہ عقل اس میں تعدد اور شرکت کو جائز نہ رکھے۔ مثلاً خاص شخص کا تصور زید عمر کا کہ جب تک کہ تصور ذہن میں صورت پزیر ہوگا۔ اس کا مصداق ایک خاص شخص کا جو زید کا سہمی ہے اس قسم کے تصور کو تصور خاص یا بزنی کہتے ہیں اسکی دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں عقل تعدد اور شرکت کو جائز رکھتی ہے جیسے کہ مطلق انسان کا تصور جس میں ب زید عمر وغیرہ ہر ایک اشخاص انسان پر صادق ہو سکتے ہیں اس قسم کے تصور کو عام یا کلی کہتے ہیں پس اس تصور کے لئے جو آواز علامت یا انسانی مقرر کی جاتی ہے اسکو لفظ کہتے ہیں علامت یا انسانی کے معنی تم جانتے ہو کہ یہ ہیں کہ اس کو وہی تصور پیدا ہو جو اصل نشانے سے پیدا ہوتا ہے جسکی وہ نشانی ہے۔ اب اگر یہ تصور جزئی کے لئے لفظ وضع کیا جاتا تو الفاظ نہایت کثیر تعداد ہوتے کہ اور کچھ انحصار و انضباط مستعد ہوتا۔ ایسے یہی زبان کے لئے مفید سمجھا گیا کہ کلی تصور ناموں کے لئے زیادہ تر الفاظ وضع کئے جائیں اور جزئی تصور کے لئے خاص الفاظ مقرر ہوں۔ ایسی صورت میں دیکھو کچھ نام کلام ہو نا سہل ہوگا۔ اسلئے کلی تصور کے لئے عام نام رکھے گئے۔ اسکا بیان آگے مفصل آئے گا۔

اشیا کے ہونے کا یہی اور نہ ہونے کا بھی تصور ہو سکتا ہے پس جیسے کہ اشیا کے ہونے کے لئے الفاظ وضع کئے گئے ایسے ہی نہ ہونے کے لئے بھی جیسے لفظ جمل ہے کہ علم کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

مادی اشیا خارجی کے تصور محسوسہ کے لئے جو الفاظ وضع ہوئے تھے انہیں کے معانی

ایسے وضع ہو گئے کہ وہ اشیاء باطنی غیر مادی پر دلالت کرنے لگے مثلاً عقل کے اصل
معنی لغت میں بانوں میں بند باندھنے کے تھے۔ مگر اب وہ اس قوت پر دلالت کرتی ہے
جو حقائق امور کو ادراک کرتی ہے اور علوم کی مدرک ہے اور وہ بھلائی اور نفع خیر چیز
کی طرف خواہش دلاتی ہے اور شر و مصرت سے بچاتی ہے۔ یعنی جیسی چیزوں کی بندش
جانور کو چلنے نہیں دیتی تھی اسی طرح جو قوت طبیعت کو اجمال ذہنیہ کی طرف نہیں چلنے
دیتی۔ اسکا نام عقل رکھا گیا غرض وہی الفاظ کہ جو اشیاء یا اعیان خارجی پر دلالت
کرتے تھے۔ اشیاء ذہنی پر دلالت کرنے لگے بعض محققین اس کلمہ کو نہیں مانتے اور
بعض الفاظ ایسے پیش کرتے ہیں کہ کبھی انہوں نے اشیاء خارجی پر دلالت نہیں کی۔ چنانچہ
کہ لفظ جی ہے کہ اسکا اطلاق کبھی کسی خارجی شے پر نہیں ہوا مگر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ
(۴) الفاظ کے معانی

انسان کے دل میں طرح طرح کے خیالات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ جنسے وہ خود فائدہ اٹھا
سکتا ہے اور اوروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہے مگر وہ اس کے دل میں ایسے مخفی ہوتے ہیں کہ
وہ اور کو نظر نہیں آتے نہ انہیں خود بخود ظاہر ہونے کی قابلیت ہے۔ پس اگر ایسے خیالات
پر وہ میں چھپے رہیں اور باہر نہ آئیں تو اجتماع انسانی بحث ہوا ایک آدمی دوسرے آدمی سے
فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ آرام نہیں پا سکتا۔ اسلئے ضرورت پڑی کہ وہ اپنے تصورات و خیالات
اظہار کے لئے علامات جو محسوس ہوں وضع کرے۔ اس مطلب برآری کے لئے آواز سے بہتر
کوئی شے اور انسان کو ماتہ نہ لگی۔ آواز ہی ایسی شے ہے کہ جلدی سے ایک کے پاس سے دوسرے
پاس پہنچ جائے اور طرح طرح کی صورتیں باسانی و کثرت بنائے۔ پس یہ آوازیں جنکو الفاظ
یا کلمات کہتے ہیں گویا قدرت ہی سے اس کام کے لئے موصوم و موزوں ہوئیں تھیں۔ مگر یہ
یا در کہو کہ الفاظ و معانی میں کوئی نسبت طبعی نہیں اگر دلالت لفظ باقتضای ذات لفظ
ہوتی تو قریبوں و شہروں و ملکوں میں بانوں کا اختلاف نہ ہوتا۔ ہر شخص ہر لفظ کے ایک ہی
معنی سمجھتا اور لفظ کے ایک معنی کی نقل دوسرے معانی کی طرف محال ہوتی اسکا سطرک جب
لفظ کے معنی بالذات ہوتے تو اسکا الفاظ کا محال تھا ساری دنیا کی ایک زبان ہوتی غرض یہ

انسان کے اختیار میں تھا کہ اپنے ہر قصہ کی ظاہری نشانی اس نے کسی لفظ کو مقرر کر لیا پس اہل لغت کا بولنا اپنے تصور کی محسوس نشانیاں دیکھنا ہے اور ان الفاظ کے معانی وہی ہمارے تصور کو بلا میں یعنی جو انکا مدلول ہمارے ذہن میں ہے۔

(۵) ہر شخص جملہ استعمال کرتا ہے وہ اپنے تصور کی ایک علامت محسوسہ دکھاتا ہے۔ ان الفاظ کا استعمال دو مقصدوں کے لئے وہ کرتا ہے کہ کیا تو اپنے حافظہ کی اعانت کے لئے انکو لکھتا ہے یا اپنے تصور کو دوسرے پر ظاہر کرنے کے لئے بولتا ہے۔ یہ الفاظ اپنے ابتدائی معانی ساتھ لئے سمجھے جاتے ہیں اور استعمال کرنے والے کے تصور کے قائم مقام ہونے کے سوا وہ کچھ اور کام نہیں کرتے جب ایک آدمی دوسرا آدمی سے اپنی بات سمجھانے کے لئے بولتا ہے تو اس بات حیرت کا کمال یہی ہوتا ہے کہ بولنے والے کے تصورات بذریعہ اصوات جو اسکے تصور کی علامات میں سننے والے کو معلوم ہو جائیں بولنے والا اپنے تصورات کی نشانیاں بناتا ہے اپنے سے غیر تصورات کے لئے انکو نہیں بنا سکتا یہ ایک بے معنی بات ہے کہ وہی نشانیاں جو اپنے تصور کو کام میں لادیں غیر تصور کو کام میں لائیں جیسے معنی ہیں کہ وہ تصور کے لئے نشانیاں بناتا ہے اور نہیں بھی بناتا ہے۔ الفاظ تو اختیاری علامات ہیں بھلا جن چیزوں کو آدمی جانتا ہے نہیں انکے واسطے کیسے اپنے اختیار سے علامات بنا سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کے لئے جو ذہن میں موجود نہ ہوں الفاظ بنانے بے معنی آواز نکالنی ہے جب تک آدمی خود ذہن میں حیالات موجود نہ ہوں وہ دوسرے آدمی کے حیالات سے انکو مطابق نہیں کر سکتا۔ اور نہ انکے لئے کوئی علامت وضع کر سکتا ہے نہ معلوم چیز کے لئے کوئی لفظ نہیں بنایا جاتا جب آدمی اور آدمیوں کے تصورات کو اپنے تصورات سے تغیر کرتا ہے اور انکا ان ناموں کا رکھنا منظور کر لیتا ہے جو اوروں نے رکھا ہے تو یہ تصورات بھی اسکے اپنے وہی تصورات ہوتے ہیں جو اسکے ذہن میں موجود ہوں ہیں نہ وہ جو معدوم ہوتے ہیں غرض زبان کے بولنے میں یہ امر لازمی ہے کہ ایک ہی الفاظ جہاں عالم پہ بڑے بڑے بولیں مگر معانی انکے جدا جدا اپنے تصورات ذہنی کے موافق ہوں۔ ایک شخص نے ایک دہات میں جسے سونا کہتے ہیں چمکتا ہوا سنہارنگ دیکھا سو وہ اپنے خیال کے موافق جہر چمکنا چمکتا ہوا رنگ دیکھے گا اسے سونا کہہ دیا مگر کی دم میں یہ رنگ دیکھ کر اسے بھی ہونا کہہ دیا

دوسرا آدمی جو اس کچھ سے زیادہ یہ جانتا ہوگا کہ یہ دہات سوار چلتے ہوئے سہرہ رنگ کے بہت
 بہاری بھی ہوتا ہے توجیہ ہونے کا لفظ بولنا ہے تو اس کے ذہن میں اس کا مفہوم وہ دہات
 ہوتا ہے کہ سہرا اور بھاری ہو۔ تیسرا شخص اس سے زیادہ اگر واقف ہوگا کہ سونے میں گلنے گلنے
 کی بھی قابلیت ہوتی ہے سو وہ اپنے خیال کے موافق سونے کا لفظ بولے گا تو اس کے ذہن میں
 اس کا مفہوم وہ دہات ہوگا جو سہرا چمکتا ہوا رنگ اور بھاری اور گلنے والا ہوگا جو تھا شخص
 اس کے باریک درق بننے کی قابلیت واقف ہوگا تو سونے کا مفہوم اس کے ذہن میں اور بڑھ جائیگا
 پس یہ چاروں شخص لفظ تو ایک سونے کا بولینگے مگر ہر ایک کے ذہن میں اس کا مفہوم بامدلول
 جدا جدا ہوگا +

(۶) الفاظ کا کچھ اور بیان +

اول اگرچہ الفاظ کے معنی سواء ان تصورات کچھ اور نہیں ہے جو قائل کے ذہن میں ہوتے
 ہیں۔ مگر بولنے والے یہ جانتے ہیں کہ ہمارے الفاظ ان آدمیوں کے تصورات کی بھی نشانیاں
 ہیں جنکو ہم اپنی بات سمجھاتے ہیں اگر یہ نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ کہنے والا جو آوازیں اپنے تصورات کو
 لئے کام میں لاتا ہے وہ سننے والا اور تصورات لئے استعمال کرتا ہو تو یہ حالت ایسی ہوگی کہ
 گویا دو زبانیں بولی جاتی ہیں کہنے اور سننے والوں میں زیادہ تر لوگ یہ تو خیال کرتے ہیں کہ وہ
 ایک ہی زبان بولتے ہیں مگر اس پر توجہ نہیں کرتے کہ اس زبان کے الفاظ کے معانی قائل اور سامع
 کے ذہنوں میں ایسے متفاوت ہیں کہ گویا وہ مختلف زبانیں بول رہے ہیں +

دوم انسان فقط اپنے خیالات ہی اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرتا بلکہ اصل اشیاء کا بھی ذکر
 کرتا ہے جنکے لئے وہ الفاظ بناتا ہے۔

توم جب آدمی شق سے اپنے مفہومات ذہنی اور مافی الضمیر کے بیان کرنے پر قادر ہو جاتا ہے تو اس
 ذہن میں الفاظ فوراً تصورات کی ایسی تحریک کرتے ہیں جیسے کہ اصل اشیاء جن سے وہ تصورات ہو
 تے۔ ابھی منہ سے لفظ نکلا نہیں کہ اس کا اصل مدلول ذہن میں موجود ہوتا ہے +

چہارم جب ہم بولتے ہیں تو الفاظ کے معانی قریب وہی تصورات ہوتے ہیں جو ہمارے ذہن
 میں موجود ہوتے ہیں ہم کو بچپن سے بہت الفاظ بولنے کی مشق ایسی چربی ہوئی ہوتی ہے

کہ وہ بے اختیار ہمارے زبان کی نوک پر آتے ہیں رہ ہمیشہ حافظہ میں موجود رہتے ہیں مگر انکے معانی کا امتحان کامل طور پر ہم نہیں کرتے۔ اپنے اس خیال کے بیان کرنے میں جسے توجہ بھی ہوتی ہے ہم الفاظ کا لحاظ زیادہ نسبت اشیاء کے کرتے ہیں بچپن میں کیا بڑھپن میں کیا؟ اس سے الفاظ ایسے لگتے ہیں کہ جنکے معانی ہمارے ذہن میں موجود نہیں ہوتے انکو اسی طرح بولتے ہیں جیسے کہ طوطا مینا صرف الفاظ کی آواز سنتے ہیں معانی سے کچھ غرض نہیں الفاظ کا استعمال جب تک بامعانی ہوتا ہے تو آواز اور تصور میں ایک تعلق ہوتا ہے اور جب یہ نہ ہو تو الفاظ ایک آواز بنے معنی ہوتے ہیں +

پنجم ہر آدمی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے تصورات کا اظہار جن الفاظ میں چاہے کرے مگر یہ امر اسکے اختیار سے باہر ہے کہ ان الفاظ سے دوسرے کے ذہن اپنے سے تصورات پیدا کر دے۔ ایسے کسی شخص کی قدرت میں نہیں ہے کہ وہ ایک نیا لفظ اپنی طرف گھڑ کر اپنی زبان میں داخل کر دے اور اسکے معنی وہی اور دوسرے کے ذہن میں پیدا کر دے جو اسکے اپنی ذہن میں تھے۔ اس شخص قصیر روم نے کہا تھا کہ گو میں دنیا پر حکمرانی کر رہا ہوں مگر مجھے یہ اختیار نہیں ہے کہ ایک نیا لفظ زبان کا لفظ بنائے کہ اپنی محکوم رعایا کی زبان میں ایسا داخل کر دوں کہ سب اسکو بولنے اور سمجھنے لگیں پس جب تک کوئی شخص الفاظ کو انہیں معانی میں جو اسکے اور ہم زبان کے ذہن میں ہیں کام میں نہیں لائے گا زبان داں نہیں کہلائیگا +

(۷) الفاظ اکثر کلی ہوتے ہیں +

موجودات عالم میں ہر شے ایک خصوصیت رکھتی ہے۔ ہر فرد اسکی ایک جزئی ہے۔ ابتداء نظر میں یہ امر قرین عقل معلوم ہوتا ہے کہ ہر فرد خاص یعنی ہر جزئی کے لئے ایک لفظ ہو جسکے معنی سے خصوصیت جزئی مفہوم ہو مگر ہم اسکے بالکل برعکس حال دیکھتے ہیں کہ ہر زبان کے اندر الفاظ کلی ہوتے ہیں یہ امر کسی عقل و اتفاق سے نہیں صادر ہوا۔ بلکہ ضرورت و جھل دونوں اس کے داعی ہوئے ہیں +

(۸) ہر خاص شے یعنی جزئی کا نام جدا جدا رکھنا ناممکن ہے +

اول اسلئے کہ الفاظ کے معانی و استعمال اس تعلق پر موقوف ہیں جو تصورات اور ان آوازوں

میں جو ان کی علامات مقرر کی گئی ہیں۔ پس اس لئے ضرور ہے کہ جب شیار کے خاص نام جدا جدا رکھے جائیں تو ان اشیاء میں سے ہر ایک کا تصور بھی جدا جدا ذہن میں موجود ہوا اور پھر کل نام بھی ذہن میں حاضر رہیں مگر یہ انسان کی قابلیتوں و قوا کی تاب و نواں سے باہر ہے کہ وہ ہر شے کا تصور اور اس کے ساتھ اس کا خاص نام محفوظ رکھ سکے۔ بھلا یہ آدمی سے کب ہو سکتا ہے کہ وہ جس آدمی اور جس پرند کو دیکھے اور جو درخت و پودا کو نظر پڑے انہیں سے ہر ایک کو جدا جدا اپنے ذہن میں جگہ دے۔ شاید بعض اس دلیل کی تردید میں ان جرنیلوں کی مثال لائیں کہ وہ شکر کے ہر سپاہی کا نام جدا جدا یاد رکھتے تھے۔ تو اس کے برخلاف یہ دلیل موجود ہے کہ کسی آدمی نے اپنے بھائیوں کے ریوڑ میں ہر بھائی کا نام۔ کوئے جو سر براؤٹے میں انہیں سے ہر کوئے کا نام۔ درختوں کے پتوں میں سے ہر پتے کا نام۔ یکستان کے درختوں میں سے ہر درخت کا نام جدا جدا رکھ کے یاد نہیں کیا۔

دوم۔ اگر یہ ممکن بھی ہو تو کوئی فائدہ اس سے مترتب نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر آدمی جرنیاں کا ایک انبار لگا لیا اور وہ دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانے میں قاصر رہا تو جو زبان کا مقصد اعظم ہے اس میں خلل پڑا۔ آدمی جن ناموں کو سیکھتا ہے اور انکو بولنے میں کام میں لاتا ہے تو غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ اور لوگ انکو سمجھیں اور یہ سمجھا جب ہوتا ہے کہ بولنے والا جو آوازیں اپنے منہ سے نکالے وہ سننے والے کے ذہن میں وہی تصور پیدا کرتی ہیں جو اس کے ذہن میں تھا۔ اب یہ بات اس صورت میں نہیں حاصل ہو سکتی کہ ہر خاص شے کے نام خاص رکھے جائیں۔ ان خاص اشیاء کا تصور جو بولنے والے کے ذہن میں ہوگا ان کے نام دوسرے شخص سننے والا اس سبب نہیں سمجھے گا کہ وہ ان خاص اشیاء کو جانتا نہیں جسکو بولنے والا جانتا ہے +

سوم۔ مان لو کہ ایسا ہوتا ہے (لوگ بھی ہوتا نہیں) تو ہر خاص شے کا خاص نام جدا جدا رکھنا مگر علم کا مانع ہوگا۔ گو علم خاص اشیاء پر مبنی جرنیات پر مبنی ہوتا ہے مگر اسکی توسیع کلیات ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ جرنیات کلیات میں تحویل ہو کر ایسے مختصر ہو جاتے ہیں کہ آدمی کا ذہن

انکا انضباط و انحصار بھی طرح کر سکتا ہے۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ انسان کلی نام رکھنے کا ایسا پابند نہیں ہوا کہ وہ جزئی نام رکھنے سے گریز و پرہیز کرے بلکہ وہ اپنے انبائے جنس کے نام۔ شہروں۔ ملکوں۔ پہاڑوں۔ دریاؤں اور مقامات کے نام جدا جدا رکھتا ہے۔ جہاں اسکو جزئیات کے خاص ناموں کے رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے

وہاں وہ رکھتا ہے۔
(۹) الفاظ عام یعنی کلی الفاظ کس طرح بنائے جاتے ہیں +

جب موجودات عالم میں ہر شے خاص ہوتی ہے جس کے سبب وہ ایک جزئی ہوتی ہے تو اب یہ سوچنا چاہئے کہ ان جزئیات کے کلی نام کس طرح رکھے جاتے ہیں۔ بہہ کلی نام پانی کا الفاظ اس طرح بنے ہیں کہ وہی جب چند چیزیں اس طرح کی دیکھتا ہے کہ کوئی خاص صفت خاص حیثیت پائی جاتی ہے اور خاص اعتبار بطحاظ زمان۔ مکان۔ مقدار کے یکساں یا یا جاتا ہے تو ان سب چیزوں کی نسبت عام خیال ہوتا ہے اور اس عام خیال کا نام عام رکھ لیا جاتا ہے۔ مثلاً آدمی نے۔ زید۔ بکر۔ عمر کو دیکھا کہ ان میں دو ہاتھ۔ دو پاؤں۔ دو آنکھیں۔ دو کان۔ ناک۔ منہ۔ یہ سب میں یکساں ہیں اور ایک ہی وضع کی مخلوق ہے تو ان کے واسطے ایک عام خیال پیدا کیا اور اس عام خیال کا نام انسان رکھ لیا۔ اس طرح نام رکھنے کی عادت ہم کو بچپن سے پڑتی ہے۔ بچہ جب تک اپنی باں باواہ کا وہ وہ پیتا، تو خاص نام ان کے لیتا ہے۔ مگر جب وہ اپنے ماباپوں اور اور شخصوں میں بہت سی چیزیں یکساں دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک عام خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اس خیال کے سبب وہ اور شخصوں کو اور ماباپوں کو آدمی کہنے لگتا ہے +

چیزوں کی نسبت عام خیال پیدا کر لینے میں انسان نے اپنے ذہن کو اس قدر وسعت دے رکھی ہے کہ چند عام خیالات جمع کر کے وہ اور زیادہ تر عام خیال پیدا کرتا ہے مثلاً آدمی بھی ایک عام خیال ہے اور درخت بھی ایک عام خیال ہے جس میں اٹلی۔ امرود۔ آم۔ عجم۔ سب طرح کے درخت شامل ہیں اب آدمیوں اور درختوں میں دیکھا کہ نمو (بالیدگی) کے اعتبار سے یکساں ہیں تو ان دونوں کو ملا کر ایک اور زیادہ عام خیال پیدا کیا اور انکا نام

جسم نامی رکھا۔ پس اسی طرح جنال نام کی نعیم کو ترقی دیکر عام نام رکھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ کل مادی اشیاء کی نوبت جسم کے نام پر پہنچ جاتی ہے +

(۱۰) حکماء و سلف میں یہم مباحثہ بھی بڑی شد و مد سے چلا آتا ہے کہ زبان عام ناموں سے یعنی کلیات سے پیدا ہوتی ہے یا خاص ناموں سے یعنی جزئیات سے ایک گروہ اد کا یہ کہتا ہے کہ زبان کے وضع کرنے میں اول قدم یہم ہے کہ خاص چیزوں کے نام خاص رکھے جائیں یعنی اسم بنائے جائیں جب وہ وحشی کہ اکائی دوسرے سے بعد عظیم پر رہتے ہوں اور کبھی انکو زبان نہ سکھائی گئی ہو وہ آپس میں مل کر رہیں تو وہ اپنی خاص آوازیں خاص چیزوں کے لئے مقرر کریں گے۔ جسے کہ وہ ایک دوسرے کی ضروریات کو سمجھ سکیں۔ اور یہم چیزیں وہ ہونگی کہ جن سے وہ زیادہ تر واقف ہونگے اور جن کے کہنے کا زیادہ موقع ہوتا ہوگا۔ ایک خاص لٹایا جس کے اندر بٹاؤ کے نیچے سوتے ہونگے۔ خاص درخت جسکے پھل سے پیٹ بھر ہونگے خاص چشمہ جسے وہ پیاس بجھاتے ہونگے۔ ان کے ناموں کے لئے وہ الفاظ گزرا۔ درخت چشمہ وضع کریں گے۔ بعد ازاں جب انکا تجربہ بڑھتا جائے گا اور انکو محبوب اور گریہوں اور درختوں اور چشموں کا بیان کرنا پڑے گا تو انکی مشابہت اپنے پہلے گڑھے اور درخت و چشمہ کے ساتھ دیکھ کر حسب دلت اور انکو بھی وہ گڑھا۔ درخت چشمہ کہنے لگیں گے۔ ان نئی چیزوں کا برائی چیزوں کے ساتھ مشابہ ہونا انکا یہ نام نہیں رکھنے دے گا۔ اس مشابہت کو دیکھ کر ممکن نہیں کہ انکو پرانے نام نہ یاد آئیں۔ جب ان نئی چیزوں کا بتلانا منظور ہوگا تو وہ ان پرانی چیزوں کا نام لینے جن سے کہ وہ نئی چیزیں مشابہت و اشتراک رکھتی ہیں۔ پس اس طرح سے جو کسی خاص چیز کا خاص نام تھا وہ عام نام ہو گیا یعنی اسم جزئی اسم کلی بن گیا۔ سچہ جو ابھی بولنا سیکھتا ہو ہر شخص کو ایا یا بابا کہے گا پس خاص نام جو مخصوص آدمیوں کے ساتھ تھے وہ عام ہر شخص کے ساتھ کرتا ہے۔ پس اس طرح سے آدمی ایک خاص چیز کے خاص نام کو ان چیزوں کے گروہ پر اطلاق کرے گا جسکی ہر فرد

فرد کے ساتھ کسی بات میں اشتراک اور مشابہت رکھتی ہے۔ اس گروہ کی ہر فرد کے دیکھنے
 سے اسکے ذہن میں وہی تصور پیدا ہوتا ہے جو اس خاص فرد اول کے دیکھنے اور اس کے
 نام سے پیدا ہوا تھا۔ نوع و جنس اسی طرح وضع ہوئی ہیں کہ جب آدمی اشیاء کا ایک گروہ
 ایسا دیکھتا ہے کہ جنکی افراد میں مشابہت یا شرکت ہوتی ہے تو اسکو بالطبع اوی خاص فرد اول
 کا اور اسکے نام کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کل بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ موضوع
 عام ہوتا ہے اور موضوع خاص۔ دوسرا گروہ اسکے مخالف یوں استدلال کرتا ہے کہ زبانوں
 کی بناوٹ میں اصل مقدم عام کلمات ہوتے ہیں بچے اور وہ شخص جو زبان کم جانتے ہیں
 جب یہ بولتے ہیں تو اس وجہ سے کہ خاص ناموں سے یعنی اسم خبری و واقف نہیں سوتے
 عام ناموں میں اسم کلی کام میں لاتے ہیں جیسے کہ چیز درخت۔ جانور بجائے اسکے کہ کسی
 اکا۔ کسی درخت کا۔ کسی جانور کا خاص اسم لیں پس جو خاص اسم ہیں وہ اصل میں اسم
 کلی تھے۔ تقریباً کل الفاظ عام کلمے ہیں۔ کیونکہ یہ امر شاذ و نادر ہوتا ہے کہ آدمی کسی
 اسم کو ایجاد کرے اور اس کو بغیر دلیل کے اس کا یا اس کا خاص نام بنا دے
 پس اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ خاص چیزوں کے جو نام ہیں وہ ان کی نوع
 کے نام ہیں۔ یہ ایک بحث فلسفیانہ ہے جو نہ کبھی ختم ہوئی ہے نہ ہوگی نہ اسکا
 فیصلہ آخری ہوگا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ پہلے کسی خاص گڑے کا نام
 گڑھا۔ کسی خاص شہر کا نام شہر۔ کھا گیا ہوگا۔ اور اسی سبب سارے گڑھوں
 کا نام گڑھا اور سارے شہروں کا نام شہر رکھا گیا۔ اور ان کے فرق پر سمجھیں
 محاط نہیں کیا گیا +



باب دوم

زبان بھی ایک سائنس ہے

فصل اول بعض تمہیدی مسائل

(۱) اونیویں صدی

خدا جانے زمانہ کا آغاز کسے ہوا ہے اور اسے کیا کیا ہو چکا ہے وہ سب بخلا انسان جان سکتا ہے۔ اگرچہ پہلی ہزارہ صدیوں کا حال التفصیل بالتحقیق معلوم ہے اور ان صدیوں سے کچھ پہلے صدیوں کا حال بالاجمال معلوم ہے کہ جس کا سرے تو مانو نہیں اور اب تو ہے تو سر نہیں باقی سارے زمانہ کا حال ایسی تاریکی میں چھپا ہوا ہے کہ عقل کی روشنی وہاں کچھ کام نہیں کرتی جن صدیوں کا حال معلوم ہے ان میں یہ ہماری اونیویں صدی اپنے وہ کمالات عجیب خیر انجمن اور دہریہ ہر جو پہلے کسی صدی میں جواب و جنال میں بھی نہیں آتے تھے اس کو وہ معارف یقینہ و علوم تحقیقہ منکشف کئے کہ جسے جہاں آفریں کی عظمت سلوت صانع عالم کی صنعت کا طرہ و حکمت بالغہ کی بڑی ہے اسے نیچر (فطرت) میں ہر نیچر (معجزی) دکھانے کے معجزات سے مستغنی کر دیا۔ نیچر کے اسرار و عقل کی روشنی میں لا کر دکھا دیا۔ انسان کے دل کو وہ شعلہ الہی و محال الہام ربانی بنا باکہ وہ معجزات کبرہ کر لقمہ خلایق کے کام کرنے لگا۔ یہ اسی صدی کا کام ہے کہ ادھر عقلیں حقیقت جو نے اپنی جاافتدائی سے پیروں کو راز سرستہ کو کھلا دیا اور دوسرے علماء اور فضلاء ذوی الاحترام نے اپنی جانکاہی سے الفاظ نے عقیم خزانہ کو کھلا کر دیا۔ ایک طرف یہ سحرمانی ہے کہ سر کے ان تھوڑے دھڑوں میں جتنے اعضاء ہیں اور اتنے کتاہر ہر شے پر ہر ذرہ و ذرہ کی جڑا تا ہے انہیں ایک خصوصی جست یعنی محقق طبقات الارض معجزات کی کیفیت دکھاتا ہے اور صد ہا عجیب و غریب علمی پڑھاتا ہے اور تاریخی ہر واقعہ کا بیان زمانہ و دراز کند گیا ہے تاکہ اس کو رو برو لا سہ۔ دوسری طرف یہ تماشاجویت نظر آتا ہے کہ جو الفاظ کے مطالعہ سے طلبہ متغیر میں ہر سے محقق زبان و آداب اٹھائے ان کی جگہ نیچر

تا ریخوں کی صد ہا جلدیں سنار رہا ہے۔ ایک لفظ میں مواعد و فقاہر و دوسرے لفظ میں معارف کے اسرار کہول رہا ہے۔ ہر لفظ کی پیدائش طفلی جوانی۔ پیری۔ موت اسکے قائم مقام وارثوں کو بتلا رہا ہے۔ وہ سمجھا رہا ہے کہ سجان اللہ زبان بھی کیا مقدس پاک سرزمین ہے کہ جبل میں انسان کے خیالات کے لیے زرو جو اہر کے دینے دفن ہیں کہ جن کی جوت سے آنکھوں کو

چکا چوند لگتی ہے +
 (۳) زبان کی تحقیقات کی وسعت اور اسکی اور علوم سے نسبت
 زبان کی تحقیق کا میدان ایسا وسیع ہے کہ انسان خواہ اپنی جودت ذہن کے برق رفتار گھوڑوں کو کیسی ہی جولایاں دے مگر وہ اسکی انتہا پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ بھلا کہیں اس وسعت بے پایاں کا ٹھکانا ہے کہ قدیم زمانہ میں جوزبانیں زندہ تھیں یعنی بولی جاتی تھیں اور اب وہ مردہ ہیں یعنی نہیں بولی جاتیں ان کی تحقیق میں موشگافی اور زندہ زبانوں میں سے ہر زبان کا اصل حال اسکے ہر لفظ اور کلمہ کی تحقیق اسکی صرف و نحو کے ہر قاعدہ کی تشریح و باتیں کیسی دشوار ہیں اور پھر اس پر طرہ یہ کہ طلبہ کی الفاظ کی کڑا لہجہ سے روگردانی اور ان کی تصنیفات سے بھی سبزی اور بھی محقق کی دل شکنی کرتی ہیں۔ اور علوم میں صریح فائدے طلبہ دیکھتے ہیں کہ کیمسٹری سے گوہم گوہم و زربنا نہیں آئے گا مگر وہ ہے گوہم و زربے زیادہ بیش قیمت بنا لینگے۔ علم طبقات الارض سے ہم معادن دریافت کر لینگے جو ہماری افزائش و کی معاون ہوں گیں زبان میں بھی کوئی قصہ دل پر نظر دل چپ نہ دل آؤ پر ہو تو اسکے مطابق میں بھی ایک لطف و مزہ ہے مگر نفس زبان کی تحقیق کے روکھے پھیکے سوکھے مضامین میں کیا خاک دہرا ہے۔ نہ کوئی اس سے دولت ملتی ہو نہ کوئی راحت ہوتی ہے یونہی ناحق کا درد ہے مگر جو محقق زبان ہے وہ اس میں اسرار عالم کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ایک لفظ سے ان واقعات کو قطعی ثابت کر دیتا ہے جو اور سو شہادتوں سے نہیں ثابت ہوتے عرض جسکو اس زبان کی تحقیق کا چمکا لگ گیا وہ دل و جان سے اُسپر فدا ہو گیا +

(۴) زبان کی اصل کی نسبت خیالات

زبان کی اصل بتلانا کہ کیا ہی نہایت مشکل کام ہے اسکی نسبت علماء و محققین نے تین خیال ظاہر

کے ہیں جنکی وجہ کا بیان ہم آگے کرینگے اول یہ کہ زبان قدرتی آفرینش ہے۔ دوم انسان کی وضع کی ہوئی صفت ہے۔ سوم عطیہ الہی ہے ان تینوں صورتوں میں ہر صورت میں کی اور ایسی شے نہیں کہ اس سے علو و مرتبگی میں سبقت لے گئی ہو یا اس سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہو اگر وہ قدرتی یا طبعی آفرینش ہو تو کل آفرینش کے سرکاتاج ہے اور قدرت کا نقش آخر ہے جسے بہتر کوئی اور نقش نہیں بن سکتا اس کی نقاشی کا اسی پر خاتمہ ہے حاصل انسان کے لئے اسے بنایا ہے۔ اگر وہ انسان کی وضع کی ہوئی صفت ہو تو اس میں صفت بشری قدرت الہی کے لگ بھگ یا پہنچی ہو۔ اس میں شان ایزدی دکھائی ہو کہ کسی اور صفت میں نہیں اگر وہ عطیہ ایزدی ہو تو کل عطیات الہی سے اعلیٰ و اعظم ہے۔ انسان کو اسکی برابر کوئی نعمت عظمیٰ خدا تعالیٰ نے عطا نہیں کی۔ اسلئے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں اور بندے کے انجیر خدا تعالیٰ سے زبان ہی کے ذریعہ سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ نماز۔ دعا۔ درود و طیفہ۔ سلام و عبادات جناب باری زبان ہی میں ہوتی ہیں۔ اسے زیادہ اور عظمت کیا ہو سکتی ہو کہ انسان کو حیوان پر شرف صرف نطق ہی کے سبب حاصل ہوا ہے +

(۴) سائنس اور آرٹ کی تعریف -

جو کہ یہ ثابت کرنا ہو کہ زبان بھی ایسا سائنس اور سائنس اور آرٹ ایسے دو انگریزی لفظ ہیں جنکے ہم معانی الفاظ اپنی زبان میں مجھے نہیں معلوم اسلئے میں نہیں کو کام میں لاؤنگا۔ تاکہ تلفظ ایسا مشکل نہیں ہو کہ وہ ہماری زبان میں کہل ملکر شیر شکر نہ ہو جائیں مگر معانی اصطلاحی انکے دقیق میں وہ ذرا توجہ سے طلبہ کو یاد رکھنے چاہئیں سائنس کے معنی یہ ہیں حقائق تحقیق کا علم جو دلائل عقلیہ پر مبنی ہو۔ وہ علم عربی کو یا ادنیٰ علم کو مدلل بنا کے اعلیٰ درجہ کا علم بناتا ہے۔ وہ عقل کے عمل کو مفصل بناتا ہو اور یہ دکھلاتا ہو کہ واقعات کو کس طرح قوانین یا قاعدہ بناتے ہیں سائنس بہت مظہرات فطرت اور منطرات قدرت کی نظم و ترتیب عدول کو بیان کرتا ہو اور موجودات عالم کے ہر کوئی نہایت دقیق تحقیق استکشاف کرتا ہو جس کے سائنس کے ساتھ آرٹ کا لفظ اور لکھا ہے یہ دونوں ہی کی تحقیق کرتے ہیں سائنس کی تحقیقات علمیہ ہوتی ہیں اور آرٹ کی تحقیقات علمیہ کی کسی چیز کی پیدائش کو واسطے سائنس حقائق کا اجتماع کرتا ہے

آرٹ عمل کی ہدایت کرتا ہے اور اس قواعد کا مجموعہ بنانا ہر سائنس میں بحث ہوتی ہے کہ یہ ہر اور وہ نہیں ہے
یہ واقعہ ہوتا ہے نیز واقع ہوتا ہے آرٹ میں بحث ہوتی ہے کہ یہ کہ اور اس سے بچو۔ سائنس میں ظہرات عالم کے قوانین
کو منکشف کرتا ہے اور آرٹ انکیا شریک پیدا کرنے کے لئے اسباب جمع کرتا ہے اور اسکی علت غائی بتلاتا ہے
غدا صہ: یہ کہ سائنس معارف یقینیہ علوم تحقیقہ کا نام ہے اور آرٹ اعمال یقینیہ و تحقیقہ کا نام ہے +
۱۵) سائنس کی ابتدا و انتہا +

اگر کسی سائنس کی تاریخ از ابتدا تا انتہا مطالعہ کر دو تو کم کو یہ ثابت ہو جائیگا کہ ہر سائنس ابتدا کی
کسی خفیف و ادنیٰ باتوں سے شروع ہوئی ہے اور کن کن جگہوں کی بنیاد پائی ہے۔ اجرام فلکی کے نام
اب تک بتلا رہے ہیں کہ کسی طالع اور فلاح نے رکھے ہیں انکے پتے، کام اور یہ اجرام ہم نام ہیں جس سے
کچھ شبہ نہیں رہتا کہ علم ہیئت بانی سانی فلاح اور طالع ہو ہیں جو پٹری (علم ہند) جیسے نام کو مضمی
(جو زمین پر پٹری سیماش) پیمائش زمین کے پیر تبتلاتا ہے کہ کسی بلوہ نے کوئی کھلیت یا بلوغ نابا ہوگا
جیسے سب سے اس علم کی سابقہ ہوئی اور مہندس کی بلوہ ہوگا اول ہیئت داں کوئی طالع و
فلاح علم فلاح کا اول بانی کوئی باخچان مگر علم کی اس ابتدائی حالت کا نام سائنس نہیں ہے۔ اب ہم نہ کسی
بلوہ کو مہندس نہ کسی طالع و فلاح کو ہیئت داں نہ کسی گولی بونے والے کو علم فلاح کا عالم نہ مضمی
کو علم تشریح کا عالم کہہ سکتے ہیں زمانہ ہے دراز میں علم کی نوبت سائنس پہنچی ہے جو تحقیقات پر تحقیقات
رہتی ہے۔ غلطیوں پر اصلاح ہوئی ہیں پیرانہ اصولی صحت ہوئی ہے جب کہیں حقائق یقینیہ پر علم ہوتا ہے تو
اس علم کا سائنس نام رکھا جاتا ہے +

۱۶) سائنس کے لئے بکار آمد ہونا بھی ضرور ہے +

اسی سائنس میں انسان فی کرتا ہے کہ جس کا کام نکلتا ہے منفعت ہوتی ہے۔ اس منفعت ہی کا
جناں طبیعت کو شوق اور اسکی طرف توجہ دلاتا ہے اور اسکی تحصیل کی طرف ہمت بندھ جاتا ہے جہاں
سائنس سے آدمی کی مطلب آری موقوف ہوئی اس ہاتھ اٹھایا۔ اہل یورپ اب علم کیسا و علم
مخوم یعنی جوش کو اسے چھوڑ دیا کہ عقل و دانش کی ترقی کے سبب انہ سمجھنے لگے کہ ان علوم
کوئی ہمارا کام نہیں رکھتا تو علم کیسا سے ہو کو سونا بنا تا آئینگانہ جوش ہماری پرالبدہ (منفعت) کی بل
یگی رکھا وہ زمانہ جوش کا یورپ میں گذرا ہے کہ جوشی بادشاہوں کے مصاحب ہم نشین و شہر تھے

اور بہت دلیں جو تباہی چٹھاتے پھرتے تھو یا بجوٹش کا نام بھی وہاں نہیں لیا جاتا عرض کسی سائنس کی ترقی اسکے بکار آمد و نفع رسانی خلائی پر منحصر ہے۔ یہی حال آرٹ کا بھی کہ حسب تک وہ غلام کو نفع پہنچاتا ہے جاری رہتا ہی نہیں متروک ہو جاتا ہے +
(۷) زبان بھی سائنس ہے +

میں نے جو اوپر تین چار دفعات لکھ کر کاغذ سیاہ کیا تو افسوس پڑا مطلب تھا کہ زمانہ حال میں علماء محققین جو زبان کو سائنس کہتے ہیں اسکے کیا معنی ہیں اس سے بتا دوں +
یہ امر مسلم ہے کہ سائنس سے کوئی عملی فائدہ پہنچا جاتا ہے۔ زبان کا سائنس ایسا ہو کہ آجکل کے زبان پر جو خوبہ بود کا مفہوم ہر اس گستر حال ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ بہت سی زبانیں جلد تر و تازہ نہ کبھی خواب خیال میں امید ہوتی ہو کہ اس کوئی زبان ہلکویسی آجائیگی کہ ساری دنیا اسے سمجھ سکی۔ اس کا منہ صاف یہ ہو کہ زبان فی لفظ کیا شیوہ۔ ایسی صورت میں امید نہیں ہوتی کہ پہلی کی توجہ تر سائنس کی طرف ہو۔ مگر ان سائنس ہنگ۔ آلات جو بظاہر مشکل خیالی معلوم ہوتے ہیں ایسے حل کرتا ہو کہ وہ تاریخ میں بنا اثر نیک یا بد بہت بڑا کہتے ہیں اس کے پہلے زمانہ میں آدمی اپنے ایک تصور کے لئے لڑنے کو اپنے ایک لفظ پر جان دینے کو مجبور ہو جاتے تھے بعض سوالات ایسی تھے کہ انہوں نے اول زمانہ سے آخر زمانہ تک بنا کو پریشانی و اضطراب میں ال کہا ہے۔ ان سب باتوں کی مشکل آسان کرنی زبان کی سائنس سے تعلق رکھتی ہے +

یونانیوں کے ہاں متبعی و لوجی ایک علم ہے کہ اس میں کل قواعد و جذبات انسانی کو ایک ایک محسوس ہی یاد دوات سے تعبیر کیا ہوا دوائ کے واسطے وہ نشانیاں مقرر کی ہیں جو انکی شان کے شایاں ہے۔ یہ بھی اوجی زبان ہی کے مرض سے پیدا ہوئی ہو جو زمانہ قدیم میں انسان کے حق میں ہر سے کم اثر نہ رہتی تھی۔ وہی لفظ جو پہلے کسی قوت و جذبہ انسانی کا نام تھا یعنی اسم یا صفت تھا اسی نے اپنی محسوس صورت بنائی۔ یونانی۔ رومی۔ ہندوستانی اور اردو قوموں کے جو پوتا ہیں وہ شاعرانہ نام ہی ہیں جنہوں نے رفتہ رفتہ خدا کی شان کو خصب کر لیا ہے اور اب وہ خدا میں بیٹھے ہیں۔ یہ الفاظ و انھیں نے اس لئے نہیں وضع کئے تھے۔ مثلاً سنگت میں و نوس ایک لفظ ہے جسکے معنی روشن آسمان ہیں جسکی شعاع زریں سیالگوں میں گرتی ہیں اب اسکی ایسی کہانیاں جڑ گئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

و وہ بھی کوئی خدا ہے جو سنگھاسن پر مور تو کی صورت میں بیٹھا ہوا ہے تیس بجو رہا ہو۔ اگرچہ حمار
 حال کی زبانوں میں اس مٹی کی اولوجی کی بیماری بہت کم ہو گئی ہے مگر بالکل فغ نہیں ہوئی
 قدیم زمانہ میں ایسے دو فرقے حکما کے گذرے ہیں کہ جن میں سے ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ فطرت کلی کا
 وجود خارج میں موجود نہیں فقط الفاظ اور ناموں میں نکا وجود ہے۔ دوسرا فرقہ اسکے برعکس کہتا
 تھا اور اسکو کا فہم سمجھتا تھا جو یہ کہتا تھا کہ ایسے الفاظ جیسے کہ سچ یا انصاف میں فقط مفہومات
 ذہنی ہوں اور اصلی چیزیں نہ ہوں جو دنیا میں ضرورتاً میں جلتی پہرتی نہ ہوں +
 زمانہ حال میں بعض بڑے پھیرے کے سوا لا پونی ٹکل (ٹکلی)، دسوشیل (ستدی)، پیش آتے ہیں کہ
 جنکے سمجھانے کے لئے یہی زبان کا سائنس بلایا جاتا ہے اس سائنس کے سبب یورپ کے نقشہ
 کی نئی صورت بلحاظ قوموں اور زبانوں کے بدل کر نئی بنی ہے۔ اسی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ
 زبانوں کا ایک اصل سے اور قوموں کا ایک نسل سے پیدا ہونا ناممکن ہے +

زمانہ حال میں حکما کی تحقیقات چوآن درجہ کو بہت بلند کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ کل قواعد انسان
 میں حیوان میں بھی موجود ہیں مگر سوا وقت ناطقہ کے لیس انسان کو شرف حیوانات پر صرف اسی
 نطق کو سبب حاصل ہو لیس جس سائنس کا موضوع نطق انسانی ہے اس سائنس سے زیادہ توجہ کرنی چاہیو +
 (۲) کوئی علم سائنس کے درجہ پر یک پہنچتا ہے۔

انسان علم کو درجہ تک پہنچا ہے جو اپنے موضوع اعتبار سے مادی سائنس اور تاریخی سائنس کہلاتے ہیں
 مادی سائنس میں خدا تعالیٰ کے کام بیان نہیں ہو تری سائنس میں انسان اپنے کام بیان نہیں
 ہیں ہر مادی سائنس کے لئے تین زمانے تحقیقات کے ضرور ہوتے ہیں اول زمانہ جمیل افراد یعنی جزئیات کی تحقیقات
 ہو۔ دوسرا زمانہ جزئیات یا افراد کی اصناف و انواع اور انواع سے اجناس بنائی جائیں تیسرا زمانہ
 جو ان دونوں زمانوں کو یکجا ہو۔ اس میں استقر و قواعد کلیہ بنائے جاتے ہیں اور انکے احکام جاری
 ہوتے ہیں مثلاً بوئے یعنی نباتات کا سائنس۔ اسکے لئے اول یہ چاہئے کہ دنیا کے نباتات خدا
 حال معلوم ہو۔ پھر ان نباتات کی افراد میں دیکھا جا کہ کس کس میں کون کونسی باتوں میں توافق و تطابق
 تشابہ و تخالف تقابل ہو اسکے موافق انکی اصناف و انواع اجناس مقرر کی جائیں پھر ان دونوں مرتبہ کے
 حکم کو ایک استقر و قواعد کلیہ مقرر ہو کہ ان کے حکام جاری کئے جائیں پس ان مرتبہ تالافہ کے طور

ہونے کے بعد باتاں کا سائنس میں ہو گا اگر ان تینوں زمانوں میں کوئی ایک مانہ بھی خالی
سے گا تو معلومات کی مشعل مجہولات نہیں روشن ہو سکے۔ پس ہم آگے یہ بیان کر نیلے کہ زبان کو لکھو
یہ مداخلت لازم ہو چکے ہیں اسلئے زبان ہی ایک سائنس ہو مگر آدمی نہ تیار مچے۔

(۹) زبان کی سائنس پر توجہ کرنی ضرور ہے

زبان کی سائنس کا موضوع یہ ہو کہ زبان کی نفس لامرعی واقعات کو جمع کر کے اور ہر ایک قسمی و متنوع
اس طرح کریں جسے معلوم ہو کہ زبان کی اصل سرشت جبلت کیا ہو اور اسلئے قوانین کیا ہیں کہ
انہیں جو شخص اس سائنس کی طرف توجہ کرے وہ بہت سی زبانیں جانتا ہو۔ گو یہ سچ ہو کہ زبان اپنے
حسن و جمال کو بے نقاب نہ کرے اور اس عالم کو دکھائی دے جسے اسکی دقیقہ یابی اور نکتہ جوی میں
مختلف زبانوں کے علم اور کے مطالعہ میں قریب قریبی وجہ افتخانی کی ہو۔ مگر وہ اسلئے بھی جو محاسن کو
نہیں چھپاتی جو زبانوں کی چھوٹی چھوٹی فرسنگوں اور صرف و نحو سے واقف ہیں۔

گو بہت سی زبانیں ایسی دینا کے پردہ پر سے معدوم ہو گئی ہیں کہ کہیں لکھتا نہیں ملتا۔ مگر
جتنی زبانیں خواہ زندہ یا مردہ موجود ہیں درحقیقی طرز و روش سے ان میں تکلم ہوتا ہو وہ
اتنی موجود ہیں کہ زبان کے سائنس بنانے کے لئے کافی ہیں +

ایک یونانی ضرب المثل مشہور ہے کہ ترجمہ یہ کہ واقفیت مختار پیدا کرتی ہے جن چیزوں سے روز کام پڑتا
انکو ناچیز سمجھ کر اس پر کچھ غور و تامل نہیں کرتے اور انہیں کسی مذرت کا گمان نہیں کرتے۔ سوز و شرک پر
روز بڑے دیکھتے ہیں کہ یہ یہ وہ بیان نہیں کرتے کہ وہ پند تو انکی طرح سنگھاسن پر بیٹھ کر کتھا بانچہ ہو کر
اور جانیس کو اس کو کھول رہے ہیں اسی ہی جیسے گویا اس کے کہ متہ الفاظ سننے پہلے اس پر گمان
ہو نہیں گئے کہ وہ ہی سائنس کو بہید بتا کر بیکر خوش حال لینا چاہو کہ عجائبات عالم میں سے الفاظ
بہی ہیں جیسے کہ الفاظ عقل و فرائز وانی کرتی ہو ایسی ہی عقل پر الفاظ اپنی حکمرانی کرتے ہیں
الفاظ میں ہر روز و طاقت ہو کہ بڑے بڑے زبردست عاقلوں کی گردن میں کند ڈال
کے اپنی طرف گھسیٹ لیتو ہیں اور اسکی اس کے احکام کو ملیٹ دیتے ہیں
یہ امر نہایت منوس قابل ہو کہ آدمی اور علموں پر تو ایسا فریفتہ ہو کر زمین کی آستوں میں گھس گھس کر خزا
نحال لائے۔ پہلوئے کہنے کو مسمول جاننے کر لئے جان گھپائے۔ اجرام فلکی کی حرکات

وسکات دیکھنے کے لئے رات کو دو درمیں لٹا کرے بر اعظم کے جانوروں کی شناسائی کے لئے جو بارہوی دینا کے
طوفان کے قوانین سے آگاہ ہونے کی تکلیف اٹھائے جسم شناسائی کی بوٹی بوٹی ڈھمکی اور گیت
دخون کے گوشت پوست بنانے کی حالتوں سے جاننے میں ہمہ تن مصروف ہو۔ مگر اس زبان کے غٹس
سے اپنے میں محروم رکھے جسکے بغیر کسی علم میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔

یہ بھی یاد رکھو کہ کسی خاص زبان کا جاننا اور بات ہو اور مطلق زبان کا جاننا اور چیز ہے +

فصل دوم زبان کی پیدائش و تحقیقات زبان

(۱) زبان کا تشابہ پیدائش میں درخت کے ساتھ

پیدائش کے اندر زبان اور درخت کے درمیان تشابہ بعض محقق بتاتے ہیں مگر تشابہ و تقابل
بڑے ذہن کے کی شئی ہوتے ہیں ہم درخت کی پیدائش کا اصل سبب نہیں جانتے۔ پس ایسی چیزوں
کے تشابہ و تقابل سے کچھ فائدہ نہیں حاصل ہوتا کہ جن میں سے ایک چیز کا حال کما حقہ نہ معلوم ہو
دوسری چیز کا حال مجہول ہو۔ یہ تشبیہا کہنا جی کو ہلا گتا ہے کہ جیسی درخت کا بیج بویا جاتا ہے
وہ بھوٹتا ہے۔ بڑھتا ہے۔ کو پھل پس ہے اور شاخیں نکلتی ہیں۔ شاخیں جھوٹی بڑی ہری ہری
پھولی پھولی ہوتی ہیں۔ کوئی انہیں کٹ کر والگ ہو کر بڑتی ہے۔ سو کہہ کر کاٹا ہو جاتی ہے پس
یہی حال زبان کا ہے کہ اس کا بیج بویا جاتا ہے وہ پھوٹتا اور کٹا بڑھتا ہے۔ شاخیں بے نکالتا
ہے۔ شاخیں جھوٹی بڑی سوکھی ہری ہوتی ہیں۔ کوئی انہیں تنہ میں لٹکتی رہتی ہے کوئی
حد ہو کر پر مردہ مردہ ہو جاتی ہے۔ بعض بے اس کے عقیدہ ہو کر ایسے دور چلے جاتے ہیں اور
سو کہہ کر خاک میں مل جاتے ہیں کہ کٹا پتا نہیں لگتا۔ مگر درحقیقت درخت اور زبان میں
اصلی تشابہ فقط اس بات میں ہے کہ وہ اپنی پیدائش قائم بالذات نہیں کہتے۔ درخت کی پیدائش
کے لئے پہلے زمین۔ پانی۔ ہوا۔ روشنی کا ہونا ضرور ہے ان بغیر کسی ہستی کا تصور ہی نہیں
ہو سکتا۔ ایسی ہی زبان کے لئے ایک زمین کی ضرورت کس میں سکاتج والا جائے
یہ زمین انسان کا نفس نامی ہے جسکے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں یہ کہنا کہ زبان جسمانی ہے
اور بڑے کر باطنی ہوتی ہے اور بچہ جنم ہی ہے اور مر جاتی ہے مجازاً زبان کو۔ پوتا جاتا ہے
جسکی اب ضرورت نہیں رہتی۔

و مہذب ہو جائے وہ کنواروں کے محاورات کو جو زبان کی اصل بنیاد ہے استعمال نہیں کر سکتی یہ کہنا غلط ہے کہ کنوار کتابی محاورات کو گکار بگاڑ کر بولتے ہیں بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ کنواروں کے محاورات سنوار سنوار کتابوں میں لکھے جاتے ہیں اسلئے کہ ہمیشہ زبانی محاورات کو تحریر پر تقدیم ہوتی ہے وحشی قوموں کی زبانوں کی تحقیقات کا بار جن محققین نے اپنے سر پر لیا ہے انہوں نے یہ خوب متنبہ کر لیا ہے کہ جب تک زبان کے منہ میں تحریر کا دھانہ اور لگام نہیں لگائی جاتی تو تہرے مہار رتی ہے اور اُس کے محاوروں میں تغیر جلد جلد ہو جاتا ہے۔ وحشی قومیں جہاں مہاسیہ میں بھی رہتی ہیں وہاں اکائی دوسرے کی زبان سے نا آشنا ہو جاتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر انکے محاورات میں اختلاف ہوتا ہے۔ انکے محاورات کے اختلافات وحدت میں کثرت کا تماشا دکھاتے ہیں۔ یعنی ایک ہی زبان کے بولنے والے اپنے کلم کی طرز اور محاورات کی روش ایسی کہتے ہیں کہ اکائی دوسرے کی بات کو نہیں سمجھتا کہ کیا کہتا ہے۔ ملک برہما میں راکان دیسیکو کا علم ادب مدون ہے مگر جزیرہ نما ایراوتی کے سلسلہ کوہستان میں جو آزاد قومیں رہتی ہیں انہیں فقط کٹیس چالیس کنہوں میں ایک زبان بولی جاتی ہے اور باقی کنہوں میں اسی طرح اور بنا میں بولی جاتی ہیں مہاسیوں میں زبان کا اختلاف ہے۔ اگر کوئی فرقہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جا بسا تو دو تین نسل میں وہ اپنے اصلی وطن کی بولی سمجھ گیا نہ وطن میں کوئی اوس کی بولی سمجھے گا۔ شمالی وسط ایشیا میں سنہوں کے محاورات کی کیفیت یہی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے قدرتی مجاویہ اقتضا سے کہ وہ بے شمار محاوروں کی روؤں میں رواں ہو مگر علم ادب کی تدوین اسکو پہنے سے باز رکھتی ہے اور روک رکاوٹ کے ایک پادار بنیاد پر قائم کرتی ہے اگر کسی ایک زبان کے بولنے والوں کا دائرہ فرخ ہو اور اس میں بکثرت اہل زبان اپنی زبان پر قدرت رکھتے ہوں تو اس میں ایک اہل زبان خواہ کیسا ہی زبان داں ہو اور قدرت بیان رکھتا ہو اور اکیلا اپنی طرز خاص کا موجد ہو اور اُس کے بکثرت تقلید بھی ہوں تو یہی اُس کے محاورات کا اثر بہت ہی کم ہوگا اسکے محاورات وہی مرجع ہونگے جو اصلی جو سر رکھتے ہونگے۔ اسلئے بڑے ملکوں میں جہاں علم ادب مدون ہو گیا ہے اس میں مخدوم خواہ کیسا ہی عالم متبحر ہو تغیر نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ خلاف اس کے جہاں زبان کا حلقہ چھوٹا ہے اور اسکے بولنے والوں کی تعداد کم ہے اس میں ایک سخن شناس جو زبان پر

تجادد ہوگا بہت تغیر پیدا کرے گا۔ وہاں کوئی حریف رقیب نہ کارو کرنے کے لئے مقابل میں کھڑا ہی نہیں ہوگا جس گروہ کی زبان قلم بند نہیں ہوئی اگر وہ فرقوں میں متفرق ہو جائے تو ہر اسکے محاورات خانہ خراب ہو کر کچھ ہے کچھ نہ ہو جائینگے۔ اکیسے زبان کے بولنے والوں کی جتنی کثرت ہوگی اتنی ہی اس زبان کو پائیداری و استواری حاصل ہوگی اور جتنی بولنے والوں کی قلت ہوگی اتنی ہی اس کو ناپائیداری ہوگی اور خلل و سہمیں متزل و متبدل ہو جائیگا جب کسی زبان کے بولنے والے کم ہوتے ہیں تو صورت کم ہوتے ہیں اور جب صورت کم ہوتے تو الفاظ کم ہوتے اور کمی الفاظ کی بھول بھلیوں میں خیالات چکراتے پھرنے لگتے۔ خلاصہ یہ کہ زبان کے تغیر متبدل ہونے والے محاورات کو بہت دخل ہے (۴) زبان کی نسبت متقدمین کے خیالات۔

زمانہ قدیم سے انسان اپنی بول چال پر بہت غور و خوض کی ہے اور اسکی نسبت اپنی خیالات ظاہر کرتے ہیں سب زیادہ علم زبان کی طرف اہل ہند اور اہل یونان نے توجہ کی ہے مگر جو کچھ انہوں نے اپنے فکر و غور سے زبان کی نسبت لکھا ہے وہ البتہ صحیح ہے کہ وہ شخص ادب کا حال لکھو جسے کبھی وٹ اور ریگستان کی صورت نہ دیکھی ہو۔ وید کی زبان کا مرتبہ برہمنوں کے خدا تک پہنچا یا ہے یہ برہمنوں کا قاعدہ اور دستور ہے کہ جب کسی چیز کی اصلیت نہیں آفت ہوتے تو وہ اسکو خدا بنا دیتے ہیں زبان کی مخاطبت میں وہ اپنے ہوموں میں یہ کہتے ہیں کہ تو ازل سے دیوتاؤں کے ساتھ ہوا اور ہنسیہ عجیب غریب کام کرتی رہی ہے اور کبھی تیرا علم انسان کو پورا نہیں ہوا وہ اس میں دھوڑا رہا۔ برہمن زبان کو لگاتے اور سانس کو ساند لکھا ہے کہ جو بڑے کو آدمی کا من قرار دیا ہے۔ وراج جو زبان کی دیوی ہے وہ رگ وید کے درمیان وسیع کے ۱۲ اویں اسٹوپ میں اپنی نسبت پر اسٹوپ لکھتی ہے کہ میں منش (آدمی) اور دیوتاؤں کے لئے بھکت ہوں جن پر منہ رحمت کرتی ہوں انکو بلوان (طاقت) کرتی ہوں اسکو برہمن بناتی ہوں اسکو براہوتار بناتی ہے اسکو وید (دان) (عاقص) بناتی ہوں۔ سوسر (گرج) کا دیوتا ہے کہ ان کو بھیجتی ہوں۔ برہمنوں کے بیرون کو مارتی ہوں۔ آدمیوں کے واسطے لڑتی ہوں۔ دھرتی واکاش (زمین آسمان) کے پیچھے چھیلی ہوئی ہوں۔ اس سند کی چوٹی پر میرا باب ہے میری اہل سمندر کے جل میں۔ وہاں سے کل موجودات عالم میں نفوذ کرتی ہوں اپنی بلندی کو آسمان چھواتی ہوں۔ میں خود ہوا کی طرح سانس لیتی ہوں ساری موجودات کو اپنی نعل میں لیتی ہوں

جو اس کا سچا اور پورا اس دہرتی سے باہر ہے ایسی میری بڑائی ہے انتہی
 ہر ممکن موجودات عالم میں سب سے بڑا ہے وہ گویائی کے سبب پہچانا جاتا ہے۔ بلکہ گویائی خود
 بزرگ ہر ممکن ہے۔ اہل یونان نے گویا کو خدا کے درجہ پر نہیں پہنچایا مگر اسکی تعظیم و تکریم
 بہت کی۔ جتنے مذاہب قدیرہ فلسفی کے ہیں انہیں کوئی ایک بھی خالی نہیں جس میں زبان کے باب
 میں اقبال فلسفیانہ موجود نہ ہوں۔ اہل یونان کو ابہام دانش جیسا تعجب خیز زبان میں جو عالم
 ظاہری و باطنی کی تصویر ہے ہوا ہے ایسا عالم ظاہر و باطنی کی کسی شے میں نہیں ہوا۔ قدیم سی
 یہ سوال کہ زبان کیا شے ہے ان سوالات کے ساتھ چلا آتا جو کہ من کیا ہے۔ من کے گرد کیا شکل
 ہے۔ انہیں سوالات اہل یونان کے مباحثوں و مناظروں کی رزم گاہ گرم رہا کرتی تھی +

(۵) زمانہ قدیم میں غیر زبانوں کا مطالعہ۔

زمانہ حال میں غیر زبانوں کے پکے کار و واج ہوا ہوا اب تو وہ ایک پیشہ ہو گیا ہے جسکو صد ہا اہل علم
 اختیار کرتے ہیں اسکا شوق کسی کو قدیم زمانہ میں شاذ و نادر ہی ہوا کرتا تھا۔ یونان میں کسی کو یہ
 شوق پہلے زمانہ میں کبھی نہیں ہوا کہ وہ غیر زبان سیکھے۔ وہ غیر زبان کیوں سیکھتے تھے اسلئے کہ انہوں
 دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا تھا ایک میں اہل یونان تھے دوسرے میں باربرین یعنی ایسے آدمی کہ جو
 زبان وہ بولتے ہوں اچھی طرح سمجھ نہ آئے۔ ان باربرین کی گفتار۔ رفتار۔ اطوار سیکھنے کو یونانی
 اپنا ننگ عار سمجھتے تھے۔ قدیم زمانہ کا دستور تھا کہ جو قومیں سربرآوردہ تہذیب شائستگی میں ہوتیں
 وہ اپنے سوار اور ساری قوموں کے نام ایسی نکلتیں جسکے معنی بہرے گوئیے یا اچھی طرح نہ بولنے والے
 کے ہوتے تھے۔ اہل عرب اپنے سوار ساری قوموں کا نام حجر کھا تھا جسکے معنی کند زبان و گونہ
 کے ہیں ہندو اپنے سوار اور قوموں کو لکھتے تھے جسکے معنی ایسے آدمی کے ہیں جو اس طرح بولے کہ
 اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے شائستہ قوموں کو دماغ میں سخت سمائی ہوئی تھی وہ غیر ذہنی زبان کہتے تھے
 تھے جب یونانیوں کو غیر قوموں کے ساتھ گفت و شنید کی ضرورت پڑی تو انہوں نے یہ چاہا کہ ان غیر قوموں
 کی زبان سیکھیں مگر شکل یہ پیش آئی کہ جب تک فریقین اپنی اپنی زبان میں باتیں کریں تو کیونکر وہ
 ایک دوسرے کی زبان سیکھ سکتے ہیں یہ مان لو کہ اول اول یونانیوں نے غیر زبانیں اس طرح سیکھی ہوگی
 جس طرح بچے زبان سیکھتے ہیں۔ قدیم مصر جن ترجمانوں کا یعنی دو بجا ہیوں کا ذکر کرتے ہیں ان

وہی دو غلے آدمی تھے جنکے بابا پوں کی زبانیں اکٹریں سے غیر تھیں۔ سانی اگر زریں پادشاہ
 مہدیائے حبیب اس کے ملک میں سنجھا والوں کا ایک گروہ لگایا تھا جو حکم دیا تھا کہ بچے انکے حوالے
 کئے جائیں کہ وہ انکی زبان اور تیر اندازی سیکھیں۔ جو یونانی اور غیر یونانی بابا پوں سے بچے پیدا
 ہوئے تھے وہ ضرور مامی اور باب کی زبانیں جان کر ہوئے۔ وہی ترجمان بن گئے ہوئے۔
 ترجمانی کی آمدنی زیادہ ہوئی ہوگی تو بہت آدمی ترجمان بن گئے ہوئے۔

یونان اور ایران کے درمیان جب لڑائیاں ہوئی ہیں تو اہل یونان یہ جانا ہر کار اور قوموں
 میں بھی زبان واقعی زبان ہوئی ہے۔ سکندر کی فتوحات عظیم نے انکو اور بھی قوموں و زبانوں
 کے حالات واقف کر دیا۔ جب سکندر ہندوستان میں آیا اور برہمنوں کو یہ سمجھ کر کہ قدیمی علوم مہضیہ
 وہ راز دار محافظ ہیں بلکہ اگر گفتگو کی ہو تو وہ جو سوالوں کے جوابات دیتے تھے تو انے ترجمانوں کی ضرورت
 پڑتی تھی کہ ایک پندت برہمن نے کہا کہ ہمارے جوابوں کا حال ایسے پانی کا سا ہو گیا جو حکو بہت سی گڑ
 مالوں میں گدزنا پڑتا ہے۔ گو پہلے سیاحوں کی سیما اور حکایات بہت مشہور ہیں کہ ہندوستان میں
 لاسی کر مفسن یونان حکیم فیثاغورس اور بعض اور مشہور نامور آئے۔ مگر وہ سب جھوٹی معلوم ہوتی ہیں
 جو سیاح کسی ملک کی زبان نہیں جانتے تھے وہ کسی اور کے دہات قصبات شہروں چھاؤنیوں میں جاتے
 ہوئے سیاح کے لئے ضرور ہے کہ جب غیر زبان قوموں میں جاتا تو کیا خود انکی زبان کسی قدر جانتا ہو
 یا کوئی ترجمان اس میں اور انکے درمیان میانجی ہو۔

(۶) زبانوں کی تحقیقات مختلف زمانوں میں۔

زمانہ سابق میں یورپ کی زبانیں یونانی لٹین وغیرہ تھیں۔ مغربی زبانیں کھلائی تھیں اور ایشیا
 کی زبانیں عبرانی۔ عربی۔ سریانی وغیرہ تھیں۔ مشرقی زبانیں کھلائی تھیں۔ بہت دنوں علماء تحقیق
 اسکے ہر پے رہے کہ عبرانی زبان کو اور سبے بانوں کی اصل ثابت کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک حضرت
 آدم عبرانی زبان بولتے تھے اسلئے سبے بانوں کی اشتقاق کا مادہ عبرانی ہونا چاہیے۔ عیدہ عیسوی
 عبرانی زبان میں لکھا گیا ہے۔ وہی انسان کی زبان سب سے اول ہے۔ عیدہ عیسوی کا ایک مفسر لکھتا ہے
 حضرت آدم نے جو عبرانی زبان سکھائی تھی وہ دینا کے اس حصہ میں باقی رہی جو خدا نے اپنے لہجے
 پسند کیا تھا اور باقی دینا جو خدا تعالیٰ نے کسی فرشتہ کے حوالہ کی تھی اس میں وہ عبرانی زبان کا

انہیں ہی کچھ اور زبان بن گئی غرض یہ مائوں تک جنطان عمار کو ہر ایک عربی زبان سب زبانوں کی
 ماں ہو اور یہ اور زبانیں یونانی لیٹن۔ کوپیک۔ فارسی عربی اسکی بیٹیاں نواسیاں ہیں۔
 سب زبان کا مرکز عربی زبان ہو۔ ستر ہویں اٹھارویں صدی میں بڑے بڑے محققین نے
 اپنے ذہن نقاد و فکر و قواد کو عربی زبان کو اور زبانوں کے مرکز بنانے میں اسی طرح ضائع کیا جطرا
 کہ زمین کو اجرام فلکی کے مرکز بنانے میں علم ہیأت کے محققین نے ضائع کیا تھا۔ بہت سی کتابیں
 اسی مضمون پر تصنیف ہو گئیں کہ یونانی۔ لیٹن اور کل زبانیں عربی زبان سے مشتق ہوئی ہیں
 مگر کسی طرح سے اصل مطلب حاصل ہوا تو آخر سوال یہ پیش ہوا کہ کس طرح سے اور زبانوں کا مادہ عربی
 زبان ہو سکتی ہے۔ اس سوال کے حل ہونے سے شکل سہل ہو گئی محمد عتیق و جہا جدید کا ایک لفظ اس
 اعتقاد کی شہادت نہیں دیتا کہ سب زبانوں کی اصل عربی زبان تھی خدا معلوم کہ حضرت آدم کی
 زبان کیا تھی۔ توریت میں لکھا ہوا کہ تمام زمین پر ایک ہی زبان اور ایک ہی بولی تھی جبہ وہ پورب
 روانہ ہوئے تو ایسا ہوا کہ انہوں نے سفار کے ملک میں ایک میدان پایا۔ اور وہاں رہنے لگے
 اور آپس میں کہا آدم اینٹ بناویں اور آگ میں پکاویں سو انکو پتھر کی جگہ اینٹ اور گچ کی جگہ
 گار تھا۔ اور انہوں نے کہا کہ آدم اپنے واسطے شہر بناویں اور ایک برج جسکی چوٹی آسمان
 تک پہنچے بناویں اور وہاں اپنا نام کریں۔ ایسا نہ ہوا کہ تمام رو سے زمین پر پریشان ہو جائیں
 اور خدا اس شہر اور برج کو جسے بنی آدم بناتے تھے دیکھنے آئے اور خداوند نے کہا کہ دیکھو
 لوگ ایک میں اور ان سب کی ایک ہی بولی ہے۔ اب وہ بولنے لگے سو وہ جس کام کا ارادہ
 رکھینگے اس سے نہ رک سکیں گے۔ آدم اور ان کی بولی میں اختلاف ڈالیں تاکہ وہ ایک دوسرے
 کی بات نہ سمجھیں۔ تب خدا وہاں سے تمام رو زمین پر پراگندہ کیا سو وہ اس شہر کے بنانے سے
 باز رہے۔ اسلئے اس کا نام بابل ہوا کیونکہ خداوند نے وہاں ساری زمین کی زبانوں میں اختلاف
 ڈال دیا۔ اور وہاں خداوند نے آدم کو تمام رو زمین پر پراگندہ کیا۔ باب پیدائش ابات ۱۔ ۹ تک
 بابل کے انتشار کے بعد جو زبانیں پیدا ہوئیں انہیں ایک عربی زبان بھی ہے۔ سو وہ حضرت آدم
 کی بولی تھی نہ کل دنیا کی اس حالت میں تھی کہ ایک ہی زبان سب آدمی بولتے تھے۔ غرض سبھی
 زبانوں سے یعنی عربی عبرانی سریانی سے اہل یورپ جب اقصا ہوئے میں تو ستر ہویں صدی

میں زبانوں کی تہ تیغ شروع ہوئی مگر یہ تقسیم کچھ سائنٹفک نہی کہ اسمیں زبانوں کی ترتیب انکی خصوصیات
 و شبہات کا خیال کیا جاتا۔ یہ تعصب کہ عبرانی زبان سب زبانوں کی اصل ہے علامہ متحرک نے شیر
 نوراً اسے یہ ثابت کیا کہ عبرانی زبان کا ساری زبانوں کا اصل ہونا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ
 دج کا کہنا کہ ہماری زبان بہت میں بولی جائیگی عبرانی زبان کو سب زبانوں سے اول زبان کہنا
 ایسا ہے جیسے کہ کسی درخت کی شاخوں کو کہنا کہ یہی سب اول شاخیں ہیں یا یہ کہنا کہ کسی ملک میں
 درختوں کی بجائے گڑے درخت لگتے ہیں یہ باتیں قوانین فطرت کے برخلاف موجود
 عالم کی موزونیت کے عکس بلکہ خدا تعالیٰ کی حکمت و دانائی کے خلاف کہ تصور میں آنے کے قابل
 ہیں عرض اسی حکیم نے زبان کی تحقیق کی راہ میں جو پہاڑ ایسے جھے پڑے تھے کہ جن پر راہ روٹھو کر
 کھاتے تھے اٹھا کے پھینکے اور راہ کو پاک صاف کر دیا جو باتیں ٹکریں اور اٹھل بچو کہی جاتی
 تھیں انکو روک دیا اور سائنٹفک تحقیقات کا باب کھول دیا۔ اسے تمام مشنریوں و سیاحوں سفیران
 سلطنت بادشاہوں شہنشاہوں کو لکھا کہ وہ زبانوں کی تحقیقات کے باب میں آگے ہی فرما کر
 چاروں طرف اس پاس جواب آنے شروع ہوئے یہاں تک کہ چین کے ملک بھی کسی صاحب
 چینی زبان کی بابت بہت کچھ لکھ بھیجا۔ یہ چینی زبان اور سب زبانوں میں انوکھی ہے۔ ۲۶ اکتوبر
 ۱۸۷۱ء کو پطرا عظم شہنشاہ روس کو ایسے اپنی عرضداشت بھیجی کہ جس میں لکھا کہ حضور کی سلطنت میں
 او کی سرحدوں پر بہت کسی زبانیں ایسی بولی جاتی ہیں جو اب تک تحریر میں آئیں نہ کسی نے ان کو
 مطالعہ میں غور و توجہ کی حضور مختلف قوموں پر فرمان روا ہیں اور ان کے دل سے ہی خواہ اسلئے ان
 قوموں کی زبانوں کی دشمنیاں یا چھوٹی چھوٹی فرہنگیں بنوائیں اور انہیں احکام عشرہ و نماز کی کتاب
 کے ترجمے کرائیں جس حضور کی شان و شوکت کا اعلان ہو۔ ان زبانوں کے باہم مقابلہ کرنے سے ان
 قوموں کی اصل معلوم ہوگی جنکی نسل سپہا سے جو آپ کے ماتحت ہو رہے کہ حضور کے ملک میں آگئی
 ہے۔ اس بڑے کریم فائدہ ہوگا کہ ان قوموں کے غرضہ دل میں مذہب عیسوی کا درخت لگا جائیگا
 اگرچہ اپنے میسر زبانوں کی سائنٹفک تقسیم کامیاب نہیں ہوا۔ مگر اسکو یقین تھا کہ کل زبانیں ایک
 اصل مشترک کہتی ہیں اور مشرق سے مغرب میں آدمیوں نقل مکان کیا ہے۔ مگر اسکی کوشش کا نتیجہ
 یہ تھا کہ آمیزہ مشنریوں اور پادریوں کو توجہ اس طرف ہوئی کہ جب ہ کسی قوم میں جاتے تو اس کی

زبان کی فرنگ بنانے اور صرف و نحو مرتب کرنے +

لے کر تیسرے بعد شری مارویس نے کام کیا کہ زبانوں کی فہرستیں بنائیں اور ان کا مطالعہ فلسفیانہ شروع کیا یعنی اس طرح جیسے کہ علوم محققہ کا مطالعہ ہوتا ہے کہ معلومات کے جمہولات کو دریافت کرتے ہیں تحقیقات کا طریقہ سائنٹیفک ہے کہ زمانہ حال میں جو زبانیں کہ بولی جاتی ہیں اور جن پر ماری رسائی ہو سکتی ہے ان کو تحقیق کر کے آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور یہ دریافت کرتے ہیں کہ کونسی یا کتنی مشترک رکھتی ہیں اور کونسی باتوں میں افتراق و اختلاف جب امتیاز تحقیق ہو کہ فیصلہ ہو جاتا ہے تو اس زمانہ حال سے کچھ اوپر کے زمانہ کی زبانوں کی ایسی تحقیقات کرتے ہیں کہ جس سے زبانوں کی اصل و قرابت رشتہ مندی معلوم ہو پس اسی طرح قدم بقدم محکم محکم کر آگے بڑھتے جاتے ہیں کہ نہایت قدیمی زبانوں تک پہنچ جاتے ہیں جن کی تخیل سے نتائج یقینیہ حاصل ہو جاتے ہیں +

مثلاً میں بین کی زبان میں مارویس پہلے جلد میں زبانوں کی فہرستوں کی چھاپ دیں گے اس تصنیفات میں کچھ تحقیقات سے اعلاط معلوم ہوئی ہوں مگر یہ احسان بصف کا تحقیقین زبان پر ایسا ہے کہ سب پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے بطور احط نے بھی اپنی سلطنت میں جتنی قومیں رہتی تھیں ان کی زبانوں کو جمع کر دیا بلکہ کہتے ہیں کہ بھی یہ لگائیے تیسری ہدایتوں سے پیدا ہوا کہ ایک ڈکشنری کل زبانوں کی تصنیف کرے اس ملکہ نے اپنا بہت سا وقت اس کی تصنیف میں صرف کیا ظاہر ہے کہ جب تک وہ ملکہ کو یہ شوق ہو تو اس کی سلطنت عالموں کو کیوں نہ اپنی ملکہ کی تائید کا خیال ہو ہو گا کل سفیر مختلف سلطنتوں میں بستے تھے وہ اس طرف مشغول ہوئے نتیجہ ان سب کی سعی کا یہ ہوا کہ مثلاً میں ایک ڈکشنری مطبوع ہوئی جس میں ۲۸۵ الفاظ کے معانی پورے کیا و ان زبانوں میں در ایک سے انچاس مشرقی زبانوں میں لکھے گئے۔

لے کر تیسرے نے جو زبانوں کی تحقیقات کا بیج بویا تھا وہ خوب بارور ہوا۔ مارویس ملکہ کتھیرن اے ڈوئل کی تصنیفات زبانوں کی تقسیم و تنوع کی بنا قائم ہوئی۔ زمانہ حال کی تحقیقاتوں نے ان پرانی تصنیفات کو تقویم مارنہ بنا دیا ہے۔ ان تصنیفات میں بڑا نقص تھا کہ محققین زبان سنسکرت نا آشنا تھے۔ اس تحقیقات کی تکمیل سنسکرت ہی سے ہوئی ہے +

(۷) زبان سنسکرت

دینا کی ساری قوموں میں یہ شرف ہندوستان کے ہندوؤں ہی کو حاصل ہو سکتا ہے اول انہوں نے اپنی زبان سنسکرت کی دیا کرن کو مدون کیا اور دیا کرن معنی تحلیل کے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں انھوں نے اپنی زبان کے سارے شہدوں (لفظات) کے دہاتو (مادہ) ۷۰۶ اور یافت میں جسکو اب یورپ کے محققین گٹا کے آٹھ سو کہتے ہیں جو ایک ایک تصویرات سے پیدا ہوا ہے۔ ان مادوں سے صیغوں کے اشتقاق و گردانوں کے قواعد مقرر کئے اور الفاظ کی تقسیم اسم فعل میں کی فاعل مفعول ضمیر حروف و رابطہ وغیرہ کی اصطلاحیں بنائیں جسبوقت کہ دنیا میں کسی زبان کی صرف و نحو کا نام نہ تھا اسوقت سنسکرت دیا کرن یا پانی کی موجود تھی جس میں زبان سنسکرت کے کل قواعد اور خلاف قیاس و شاذ موجود تھے۔

(۸) زبان کاساٹش بننا۔

جب تک اہل یورپ نے زبان سنسکرت پر یورپ اور اعلیٰ علم نہ ہوا۔ زبان کو سائنس بنانے تک پہنچا ہوا۔ اہل یورپ کا قاعدہ یہ کہ جب کسی امر کی تحقیقات کے درپے ہوتے ہیں تو اس کا پتہ پتال کرتے لگاتے ہیں آج کل انہوں نے غیر زبانوں کی تحقیق کر کے اپنی زبانوں میں دیکھ کر زبان بنائی ہیں اور ہر زبان کی کیم صرف و نحو جدا جدا ایسی زبان میں لکھی ہے۔ بہر حال کیمروں میں تشارک تھاوت تحقیق کیا مثلاً زبان سنسکرت کے اسکا یونانی زبان سے مقابلہ اس طرح انھوں نے کر کے انہیں مشابہت ثابت کی کہ دونوں زبانوں میں ان الفاظ کو لیا جن کا سب زبانوں میں اصلی ہونا ضروری ہے کہ گنتی اعضا و جہانی۔ رشتہ داروں کے لئے الفاظ جو ایک زبان والے دوسری زبان سے مستعار نہیں لے سکتے جب تک کہ وہ اپنی دوسری زبان سے متعلق نہ ہوں۔ سو اس قسم کے الفاظ میں نہایت مشابہت پائی سنسکرت میں گنتی کے الفاظ ایک دس تک ہیں۔ ایک۔ ددی۔ تری۔ جتر۔ پنج۔ شٹ۔ ست۔ آشت۔ نو۔ دس۔ انہیں کیم مخرج الفاظ یونانی زبان میں یہ ہیں۔ پیر۔ بیس۔ تیس۔ چالیس۔ پچاس وغیرہ بنانے کے جو قواعد سنسکرت میں ہیں وہی یونانی زبان میں ہیں غرض ان دونوں زبانوں کے الفاظ میں تشابہ و کیمروں میں متعلق اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں کسی ایک زبان کی بیٹیاں ہیں پھر سنسکرت کو زندہ

کی زبان سے جسکو زندگیتے ہیں اس طرح ملایا تو معلوم ہوا کہ وید کی زبان زندگیتے ہیں ایک ہی زبان
 محققین نے بانے اعجاز کیا ہے کہ زبانوں کے الفاظ کے جوہر و ماد تحقیق کئے اور بہر ان مختلف
 صیغوں کے اشتقاق کے قاعدے دریافت کئے۔ اصل مادوں کی قسمیں مقرر کیں۔ فعل۔ اسم۔ حرف۔ روابط
 کو خوب تحقیق کیا جب ان خبریات پر خوب علم حاصل ہو گیا تو بہر زبانوں کی تقسیم و تنوع اس طرح کی
 کہ جن زبانوں کی گمراہوں میں توافق تھا ان کو ہم نسل قرار دیا یعنی انکو یہ مانا کہ وہ ایک زبان
 سے پیدا ہوئی ہیں زبانوں کی تقسیم باعتبار صرف و نحو کے ہوتی ہے۔ اصل زبان وہ عناصر بن
 سمجھی جاتی ہے جس میں دوسری زبان کی آمیزش نہ ہو ان زبانوں کی نسلوں کی اولاد و طرح کی
 قرار دی انکے زندہ دوسری مردہ۔ تفصیل ان کی تقسیم کی یہ ہے کہ زبانوں کی ایک نسل اریہن جس کی
 زندہ اولاد ہندوستان کی کل زبانیں فارسی۔ افغانستانی۔ کرمستانی۔ آرمینی۔ انگریزی۔
 فرانسیسی۔ رومی۔ یونانی۔ روسی۔ جرمنی۔ مردہ اولاد یہ ہے پراکرت۔ پالی۔ زمانہ حال کی سنسکرت
 وید کے زمانہ کی سنسکرت۔ قدیمی فارسی۔ پہلوی۔ زندہ دوسری نسل سینٹک جس کی زندہ اولاد یہ
 ہیں۔ ملک عرب کی کل زبانیں۔ یہودیوں کی زبان۔ مردہ اولاد عہد عتیق کی عبرانی۔ کلدی۔
 شامی۔ بابلی وغیرہ۔ تیسری نسل تورانی ہے جس کی زندہ اولاد جاوگوری۔ سامی۔ سری۔ دہندی
 آذربائیجانی۔ کرمیائی۔ اسے تولی۔ روسی۔ یانیسی۔ مردہ اولاد قالموقی۔
 پہلے محققین کی رائے تھی کہ آریہ نسل کی سنسکرت ملک پر اسے بدل گئی وہ بجا مان کے
 ہمیشہ کلاں آریہ زبانوں کی کہلاتی ہے۔

پس یوں زبان کے لئے وہ تینوں مراتب طے ہو گئے جو ہر سائنس کے لئے ہونے ضرور ہیں کہ اول جزئیات
 کا اجتماع دوم جزئیات کی تقسیم و تنوع اجناس میں سوم متفرد اسے احکامات کلیہ۔

(۹) تاریخ سے زبان کے تعلقات۔

کسی ملک کی تاریخ پر علم ہوتا ہے تو اس کی زبان کی نسبت یہ امر تحقیق ہو سکتے ہیں کہ ایک قوم کی
 زبان کا دوسری قوم کی زبان سے اختلاط کیونکر ہوا اور یہ اختلاط کا زمانہ کب تھا۔ اور کتنے دنوں
 رہا پھر اس اختلاط کا سبب تجارت تھی۔ یا لڑائی تھی۔ ان دونوں قوموں کے تمدن اور تہذیب کی
 کیفیت کیا تھی۔ کون محکوم تھی کون حاکم۔ انہیں سے کتنے قوانین آئین۔ مذہب ضائع کیا گئے

کس زیادہ قومی معلم۔ شاعر عام لہجہ کا یہاں بھی بلنا پیدائے۔ ایک قوم دوسرے قوم سے ایسی
 حلقہ نہیں رہتی کہ ایک کی زبان میں دوسری زبان کے الفاظ مخلوط نہ ہوں بعض حلقہ ایسی
 واقع ہوئی ہیں کہ غیر زبانوں کے الفاظ اصلی زبان میں اس کثرت سے مخلوط ہوتے ہیں کہ انکی
 تعداد اصلی زبان کے لغات زیادہ ہو جاتی ہے مثلاً ترکی میں عربی زبان بولی جاتی ہے اس میں فارسی
 عربی لغات کی وہ کثرت ہے کہ تورانی لغات پر غلبہ ہے مگر اسکی صرف و نحو وہی تاریخی اصلی زبان
 کی صرف و نحو ہے۔

اس ترکی زبان میں عربی فارسی لغات کا ملاؤ۔ مذہبی علمی۔ ملکی کاموں کے سبب ہوا ہے
 اہل عرب کو ایران پر مذہبی اور جنگی فتح حاصل ہوئی تھی مگر اہل ایران کو اہل عرب پر تہذیب کی
 فتح حاصل ہوئی گو عرب کا محکوم ایران ہو گیا تھا اور اسی کا مذہب اختیار کر لیا تھا مگر اس کے
 بہت لغات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے۔ ساسانیوں کے عہد میں ایران کی تہذیب بہت
 بڑھ گئی تھی کہ اسکا اثر اہل عرب پر بھی ہوا تھا عرب کی سیف و ایران کی قلم نے ملکر اسلام کا علم
 بلند کیا تھا۔ ترکستان میں اسلام ایران میں ہو کر گیا تھا اسلئے ترکوں کی زبان میں عربی فارسی
 دونوں زبان کے الفاظ نے عمل و دخل کیا عربی الفاظ اور محاورہ ایرانی لباس پہن کر ترکی زبان
 میں داخل ہوئے۔ مذہب کی جگہ پرین۔ کافر کی جگہ پر صوم کی جگہ پر ذرہ صلوٰۃ کی جگہ پر نماز بول گئے
 الفاظ کا اس طرح داخل ہونا تاریخ تہذیب میں سکول اور کتابوں کے زیادہ اثر رکھتا ہے۔
 تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کسی حسی قوم کی زبان کیونکر مذہب ہوئی ہے زبانی یا تحریری نظم
 سے یا شعر سے یا شاعروں کے کلام کی تدوین یا علماء دین کی تفسیر یا مقررین کی تقریر سے یا قدیمی
 زبان کی تاثیر سے +

(۱۰) زبانوں کا متحد الہا ہونا۔

گویائی انسان بجا خود ایک دنیا ہو۔ جسے زمین پر سیکڑوں قومیں اور قوموں میں اردو
 قبائل و خاندان اور خاندانوں میں گروڑوں آدمی ہوتے ہیں ایسی ہی گویائی کی دنیا میں
 سیکڑوں زبانیں (جسکی تعداد تقریباً سو کے معلوم ہوئی ہے) اور ہزاروں محاورے
 اور پھر محاوروں میں لاکھوں لغات ہیں بعض قومیں ایک دوسرے سے بالکل متغائر ہیں بعض قومیں

صورت شکل شبابہت میں قرابت کہتے ہیں ایسی ہی زبانوں کے بعض گروہ اکائی و کسر سے متماثل اور بعض گروہ کے گروہ ایسے بنائے جائینگے کہ جو ایک اصل کی فرع یا ایک باپ کی نسل معلوم ہوگی بعض علما تحقیق نے اس امر کو ثابت کرنے میں زحار کوشش بلیغ کی ہے کہ جیسے دینا کے کل باشندہ ایک ہی آدم کی اولاد میں ہیں ایسی ہی کل زبانیں جو دنیا میں بولی جاتی ہیں وہ ایک اصل کی فروغ ہیں مگر وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ انسان کے جو فرقے ہم نسل ہوں وہ ہم زبان بھی ہوں تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی نسل کی قومیں مختلف زبانیں بولتی ہیں اور ایک نسل کی قوم اپنے سے غیر نسل کی قوم کی زبان بولتی ہے۔ غرض انسانوں کے انساب کے ساتھ اسکی زبانوں کے انساب کو رشتہ بندی نہیں ہے۔

(۱۱) کل زبانوں کے اصل ہونے کے لئے عہد عتیق کی شہادت پیش کی جاتی ہے کہ اس میں لکھا ہے خداوند تعالیٰ نے ہر ایک جانور اور آسمان پرند کو زبانیں بنا کر آدمؑ پر بھیجا کہ دیکھو کہ وہ ان کو نام رکھو جو آدمؑ ہر ایک جانور کو کہا وہی اس کا نام پھر آدمؑ نے ہر ایک پرند کو اس کا نام رکھا بعض محققین نے فرمایا کہ زبانوں کے متبادل اصل ہونے کی یہی شہادت مگر تحقیقات ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہد عتیق کی آیات مذکورہ مطلقاً عتیقہ ہیں کہ ان انوی زبانوں کا آغاز مختلف طرح سے ہوا ہو گا یہودیوں کو یہ اعتقاد تھا کہ وہ دراز نکم ہا کہ کل دنیا کی زبان ایک ہی تھی۔ مگر بڑے بڑے علماء و مذہبی نے زبان کی تحقیقات میں بال کی کمال نکال کر یہ ثابت کیا ہے کہ امریکہ کی زبانوں کا آغاز زمانہ حال میں ہوا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کل زبانوں کا سلسلہ سب ایک اصل زبان تک پہنچتا ہے تو بھی اسکی مطابقت عہد عتیق کی آیات سے نہیں ہوتی ان آیات سے وہ تعلقات معلوم ہوتے ہیں جو خدا و انسان و زبان کے درمیان ہیں خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو قوت گویائی عطا فرمائی نہ گویائی کہ کوئی دیکھ کر اس کو ابھی طرح بڑھائی ہو۔ زیادہ تر عہد عتیق میں انسان کے انساب کا ذکر ہے زبانوں کے انساب کا بیان نہیں قومیں اپنا نام نہیں بدلتیں مگر اپنی زبانیں بدل دالتی ہیں یہ ناممکن ہے کہ عہد عتیق میں جو انسان کا سلسلہ انساب ہر وہ زبانوں کے سلسلہ انساب کے مطابق ہو۔ زبانوں میں لغات اشتقاق کے طریقے اور صرف و نحو ایسی آپس میں متخالف و متضاد ہیں کہ کبھی ممکن نہیں کہ سب زبانوں کا ماخذ ایک زبان ہو مثلاً عربی فارسی ممکن نہیں کہ دونوں متحد الاصل ہوں یعنی کسی ایک زبان سے دونوں

پیدا ہوئی ہوں عربی میں ایک مادے سے صیغوں کا اشتقاق اور طرح سے ہوتا ہے فارسی میں اور
 طرح سے عربی زبانیں ایک مادہ سے ایکے اندر کچھ لغات عرب بدلنے سے حروف بڑھانے سے بہت
 سے معانی مختلف معروف مجہول متعدی لازمی۔ ماضی مضارع طرف اور غیر بنائے میں
 فارسی زبان میں اور غیر الفاظ اول اور آخر میں لگانے سے مختلف معانی پیدا ہوتے ہیں مثلاً
 عربی میں ماضی معروف کھل سے ماضی مجہول لغات عرب بدلنے سے محل جانیگا اور فارسی زبان میں
 ماضی معروف کرد سے ماضی مجہول کردہ شبنے کا غرض یعنی جواد پر زبانوں کی تقسیم آریں
 یہ تنیک و تورانی لکھی جو ادویہ بتایا ہے کہ کون کونسی زبانیں سے متعلق ہیں انکے لغات کے مادے
 اور گروہیں ایسی مختلف ہیں کہ ان زبانوں کا اتحاد الہل ہونا ممکن ہے وہ کبھی ایک اصل کی فروغ
 اور ایک باب کی نسل نہیں ہو سکتیں +

(۱۳) جن زبانوں میں توافقی دیکھتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی اصل کی فروغ یا
 ایک ہی باب کی اولاد میں تو ان زبانوں کے الفاظ کا وہ گروہ لیتے ہیں جنکے معانی میں ایک عام
 مشترک پایا جاتا ہے اور کتنے ایک حروف یکسانی کے ساتھ مشترک پائے جاتے ہیں تو ان سب
 لغات کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اصل احد کی فروغ ہیں اور اس اصل کو مادہ یا جو سب لغات کہتے ہیں
 ایس جہاں زبانوں کے لغات کے مادے معلوم ہو جاتے ہیں تو بہر ان زبانوں کی گروہوں کو
 دیکھتے ہیں کہ ان مادوں کے مختلف صیغوں کے قواعد باہم متحد ہیں یا نہیں اگر اتحاد ہوتا ہے تو
 بہر یقین ہوتا ہے کہ زبانیں ایک ہی اصل کی فروغ ہیں اس اصول تحقیق کے موافق سنسکرت
 یونانی (گرک)۔ ژند۔ لیسٹن وغیرہ زبانوں کو ایک اصل کی فروغ ثابت کر کے اسکا نام آریں
 زبان رکھا ہے۔ ان میں لغات مادے اور صیغوں کی گروہیں اور اول اور آخر کلمات بڑھانے کے
 قواعد متحد ہیں دو زبانوں کے دس یا پچھ لفظوں کا تفاوق انکے متحد ہونے کی دلیل نہیں ہوتا
 لغات کے جو اصل مادے معنی ہیں وہ مخصوص کی طرح تحلیل نہیں ہو سکتے۔ کوئی زبان ایسی نہیں
 کہ جس میں بڑے مادے ہی استعمال ہوتے ہوں اور انکے اشتقاق نہ مستعمل ہوتے ہوں بعض
 مادے ایسے تو ہوتے ہیں کہ وہ خود نہیں متعل ہوتے ہیں جیسے کہ سنسکرت میں ایک مادہ داس
 جسکے معنی دینے کے ہیں وہ خود تو نہیں متعل ہوتا مگر اسکے اشتقاق استعمال میں آتے ہیں۔

یوں نجات کے ماہوں اور جوہر کے اوصیوں کا مشق کرنا انسان ہی کی زبان کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ انسان ہی کا کام ہے اور کوئی حیوان نہیں کر سکتا +

فصل سوم زبان کی اصل

(۱) زبان کی تحقیقات +

زبان کی تحقیقات کی جنی راہیں ہیں اسکی ابتدائی حصوں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ وہ نظر تو کیا انیس کی بلکہ تصویریں بھی نہیں آتیں ہم انتہا کی جانب سے اگلے امتداد کی طرف کچھ مترسٹ کر کے جہاں پہنچ رہے ہیں وہاں سے آگے ایک قعر ناہید اکنار ہمارے اور مبدع زبان کے درمیان ایسا حائل ہوتا ہے کہ کسی طرح مبدع زبان تک نہ سائی نہیں ہونے دیتا۔ ایسی تاریکی میں لاڈ لٹا ہے کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا یہاں سئلے ناممکن ہے کہ کسی زبان کے کل منازل ابتدائے طر کر کے اسکی حالت موجودہ پر آہنچیں اور از ابتدا تا انتہا تحقیق کر کے اسکا حال بتائیں مگر فطرت انسانی کے اصول جو ہم کو معلوم ہیں انکے موافق ہم ثابت بنا سکتے ہیں کہ زبان کی مختلف کیفیتیں بتدریج کس طرح پیدا ہوئی ہیں جس سے دل کو کسی قدر طمینان ہو جاتا ہے اور اس عجیب فلسفہ سے نجات مل جاتی ہے جو علم اخلاق اور علوم طبعیات میں جن مظہرات کو بیان نہیں کر سکتا اور انکو عجرات سے منسوب کرتا ہے اور بے کسر دیا افسانے بناتا ہے۔ ماویات اور انسانیت کو مظہرات کی تحقیقات کا اصول یہ ہے کہ اگر ہم ان تمام مداخل اشیا کو جسکو کہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے نہیں بیان کر سکتے تو یہ اسکا یہ ثابت کرنا کہ وہ اسباب فطرت اور فاعل قدرت سے پیدا ہوا ہے علم تاریخ کے امتحان میں نہایت بکار آمد سودمند و ضروری ہے۔

(۲) زبان کی تحقیقات کا تاریخی حال -

ظاہر ہے کہ تاریخ کا آغاز تو جب ہوا ہے کہ اس کے قرون اولہ مدتوں پہلے انسان زبان پر قادر ہو چکا تھا اسلئے زبان کی اصل کی تحقیقات کا سامان تاریخانہ میسر نہیں ہو سکتا یعنی انکی اقعہ نفس لامرئی کو بقید زمان و مکان نہیں بیان کر سکتے یعنی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کس مقام پر کس وقت پیش آیا۔ اس معاملہ میں تو زبانی روایات و حکایات و احادیث خاموش ہیں کہ انسان کیونکر الفاظ اور حیرات لائے فاد ہوا یہ ایک عجیب معما ہے کہ جو اس سخن اشیا کا ادراک ہوا اور انکھوں میں جو تصویریں نہیں وہ آوازوں میں تحویل ہو کر فطر و محرک حیا لائوں۔ اس میں کسی غیر متجانس چیزوں کا اتحاد ہوتا ہے تو

رنگ بدل کر آواز بنے اور آواز بدل کر خیال ہو جائے اس معنی کا حل کرنا ہمارا مقصود ہے اس کے زیادہ
 کیا دلچسپ مضمون ہو سکتا ہے کہ تاریخوں اور نوشتوں سے یہ معلوم ہو جا کہ اول آدمی نے جو الفاظ
 شفوی (یعنی جو ہونٹوں سے نکلے ہیں) کس طرح ہونٹوں کے عمل سے نکالے ہونگے جسکے سبب ہمارے
 کش مکش سے ہمیشہ کے لئے نجات ملتی ہے کہ جو انسان کی زبان کی نسبت مسائل نظری گھرے گئے ہیں
 (۳) وضع زبان کی نسبت خیالات +

علماء دین جو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل زبان خدا تعالیٰ نے بنائی ہے وہ جسم انسانی میں خدا تعالیٰ
 کی ذات کے حلول کے اندیشاں کہاؤں میں کیا جھنڈ میں پڑے ہیں اول کو بابت تفصیل یہ بیان کرنا پڑتا ہے
 کہ خدا تعالیٰ نے دشمنی اور گریہ (لغات صرف و نحو) تصنیف کر کے اول آدم کو اس طرح زبان ع
 سکھا یا جیسے کہ کتب میں گونگوں بہروں کو اوستا سکھا تا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ اگر
 ان کے متنبہات مان لئے جائیں تو سوار اسکے کوئی اور نتیجہ نہیں نکلا کہ آدم سے پہلے زبان موجود
 تھی جو اسکو سکھائی گئی مگر اس سے یہ عقدہ شکل تو حل نہیں ہوا کہ وہ زبان کس طرح بنی تھی۔ یہ عقدہ
 ایسا مشکل ہے کہ کبھی انسان سے حل ہوا ہے نہ ہو گا۔ بہت حکما رکا یہ خیال ہے کہ زبان کو انسان نے
 وضع کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان پہلے پہل کچھ مدت تک خاموشی کی حالت میں رہا اور اعضا کی
 حرکات اور چہروں کی مختلف ہیئتوں کے بنانے سے اپنے خیالات اکٹھے کر کے نکال دینا چاہا۔ یہاں
 دہن میں تصورات کی افراش ہوئی اور اُن کے اظہار کے لئے اعضا و جہرہ کی حرکات کافی نہ ہوئیں
 تو مجبوراً اپنے اپنے تصورات کے اظہار کے لئے مصنوعی علامات وضع کیں اور باہم متفق ہو کر اسکے
 معنی وضع کئے مگر یہ حکما جو ایسا خیال کرتے ہیں کہ اول آدمی تنہا تھا اور وہ خاموشی کی حالت
 سے اس طرح نکلا کہ جو تصورات اسکے ذہن میں آئے اس کے لئے الفاظ وضع کئے۔ یہ بھول جاتے
 ہیں کہ انسان اپنے آپ نطق نہیں پیدا کر سکتا جو ایک ایسی قوت ہے کہ وہ انسان ہی کے ساتھ
 مخصوص ہے نہ وہ اور حیوانات کو کبھی حاصل ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ اگر حکما یہ کہیں کہ بچے بے زبان
 پیدا ہوتے ہیں اور پھر بتدریج بے زبانی کی حالت سے نکل کر زبان ہو جاتے ہیں تو انکا یہ کہنا ہمارا
 مقصود کچھ تعلق ہی نہیں کہتا کیونکہ ہمارا مطلب نہیں کہ تحقیق کریں کہ بچے اپنی قابلیتوں کو جو
 اُن کے جسم و روح میں موجود ہیں کس طرح استعمال میں لانا سیکھتے ہیں بلکہ ہمارا اصل مطلب ہے کہ

ہم تحقیق کریں کہ اصل نطق کیا ہے اس مطالب کے لئے ضرور نہیں کہ ہم یہ دریافت کریں کہ بچہ اپنی
توئی پوتلی زبان کو نکلے بولتے ہیں جب ہم جانوروں میں پرلے ہوئے دیکھتے ہیں تو اس تحقیق
کی ضرورت نہیں کہ وہ کیوں اڑتے ہیں اڑنے کا سامان ان پاس موجود نظر آتا ہے۔

(۴) زبان طبعی دریافت کرنے کے تجربے +

بعض بادشاہوں نے اس امر کا تجربہ کیا ہے کہ بچوں کی طبعی زبان کیا ہے۔ اکبر شاہ ہند نے
ایک گنگ محل بنوایا۔ اس میں سچے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے ہی بھیجے گئے۔ دائیوں کو حکم ہوا
کہ وہ دودھ پلا میں مگر کوئی لفظ ان کے سامنے نہ بولیں جب یہ بچے پانچ پانچ سات سات برس
ہوئے تو بادشاہ کے روبرو ملائے گئے تو سوا غائیں شائیں کے وہ کچھ اور نہیں بولتے تھے اسی
قسم کا تجربہ بادشاہ شہر کیا تھا کہ ایک گڈریہ کو نئے پیدا ہوئے بچے حوالہ کئے اور حکم دیا کہ وہ ایک
بھڑکا دودھ خود دیا کریں اور کوئی لفظ ان کے کان تک پہنچنے پائے جب بچے بڑے
ہوئے تو سوا بھڑکے بولی کے کچھ اور نہ بول سکتے بعض بادشاہوں نے بچوں کو گنگائی ایوں کو
حوالہ کیا اور کوئی لفظ سننے نہ دیا کہ جس معلوم ہو کہ انسان کی ابتدائی زبان یا طبعی زبان کیا
ہے۔ ان تجربوں نے ہمارے سوال کے حل کرنے میں کوئی تائید نہیں کی۔ بچے جو بولتے ہیں وہ
کوئی زبان نہیں ایجاد کرتے۔ ان کے واسطے پہلے ایک زبان بنی ہوئی موجود ہوتی ہے وہ پہلی
زبان کو بچپن میں اسی طرح سیکھتے ہیں جیسے کہ بڑے ہونے پر دوسری زبان یہ تحقیق کرنا ہے بیانیہ
ہے کہ جب بچے تنہا چھوڑ دئے جائیں تو وہ کوئی زبان نئی ایجاد کریں گے۔ یہ امر ان کے لئے
خلاف فطرت خلاف عقل ہے۔ سب نزدیک مسلم ہے کہ اگر ایک انگریز کا بچہ تنہا چھوڑ
جائے تو ناممکن ہے کہ اس کو انگریزی بولنی آجائے۔ آثار میں کوئی مثال ایسی نہیں کہ
کوئی زبان یوں ایجاد ہوئی ہو۔

(۵) انسان و حیوان +

اگر پرندوں کے اڑنے کی قوت جو اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے کما حقہ ہم تحقیق کرنی
چاہیں تو ہم کو دو باتیں دریافت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ
بناوٹ کا مقابلہ ان حیوانات کی بناوٹ سے کریں جن میں یہ قوت اڑنے کی نہیں ہے۔

دوم وہ شرائط دریافت کریں جنکے مطابق یہ ارٹھنے کا فعل سرزد ہوتا ممکن ہو پس یہی صورت انسان کے لفظ کی نسبت ہو کہ جو انسان کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور خاص اسی کے سبب وہ اور مخلوق میں تمیز ہوتا ہے پس اگر ہم لفظ انسانی کی نسبت تحقیق کے درپے ہوں تو سبکو اول آدمی کا مقابلہ ان حیوانوں سے کرنا چاہئے کہ جو اس حیوانیت میں نہایت قربت رکھتے ہیں اور اس مقابلہ میں یہ دیکھنا چاہئے کہ انسان اور حیوانوں میں کون باتوں میں اشتراک ہے اور کونسی ایسی باتیں ہیں کہ وہ صرف انسان ہی کی ذات سے مخصوص ہیں جبکہ دواہر تحقیق ہو جائیں تو ان شرائط کا دریافت کرنا چاہئے کہ جسکے سبب لفظ ممکن ہو۔ پس ان کاموں کے بعد ہم اپنا کام جتنا کر سکتے ہیں وہ پورا ہو جائیگا۔ مگر اسکے ساتھ یہ خیال رکھنا کہ ہمارے علمی آلات خواہ کیسے ہی عجیب غریب ہوں۔ مگر جن مقامات میں ہم خیالات کے پر لگا کر اڑنا چاہتے ہیں انکے واسطے نہایت ضعیف ہیں۔

جب ہم انسان اور حیوانات سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ تحقیق ہوتا ہے کہ بعض حیوانوں میں جسمانی قابلیت تلفظ کی ایسی ہی ہے جیسے کہ آدمی میں کوئی حرف ایسا نہیں کہ جسکا تلفظ آدمی کر سکتا اور طوطا مینا نہ کر سکتے ہوں۔ اس ثابت ہوا کہ اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کہ طوطا مینا کوئی لفظ اپنا نہیں کہتی یہ ضرور ہوا کہ ہم یہ بتلا دیں کہ انسان میں جو قوا عقلیہ ہیں وہ طوطا مینا میں نہیں ہیں اسکا بیان نیچے کرتے ہیں +

اول حیوان دیکھتے۔ سُنتے۔ چمکتے۔ سوچتے۔ جھوٹے ہیں یعنی جو اس حسیہ کہتے ہیں اس باب میں حیوان اور انسان درجہ مساوات رکھتی ہیں +

دوم حیوان خوشی و رنج کا ادراک کرتے ہیں جبکہ گوار دیا پیار کر۔ تو اسکا حال ایسا ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کے بچہ کا مارنے اور پیار کرنے سے ہوتا ہے۔ ان دونوں میں خوشی و رنج کی علامتیں ایک سی ہی پائی جاتی ہیں +

سوم حیوان بھولتے نہیں جسکو حکما کہتے ہیں کہ قوت حافظہ رکھتے ہیں وہ اپنے آقا کو اپنے گھر کو بھولتے نہیں جو آدمی بھولتا ہے مگر دیکھ کر وہ پہچان جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں + چہارم حیوانوں میں قوت مقابلہ و تمیز ہے۔ ایک طوطا جب درخت میں سے ایک کھڑوٹ

توڑے گا اور وہ ہلکا ہو گا تو اسے چونچ لگا کے پھینک دے گا۔ وہ جانتا ہے کہ اس میں گری نہیں ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بن گری کے اخروٹ کا مقابلہ گری دار اخروٹ کرنا آتا ہے اور وہ منطق کی شکل اول پر عمل کرتا ہے کہ کل اخروٹ بن گری کے بلکے ہوتے ہیں اور یہ اخروٹ ہلکا ہے اسلئے بن گری کا ہے اسے چونچ مارنا بیفائدہ ہے۔ یہاں دیکھ لو کلیتہاً کبریٰ۔ (بیجا بصرے)

تکریر خدا وسط سبب رابطہ موجود ہیں +

بچہ حیوانات اپنا ارادہ رکھتے ہیں جو کہوٹے پر چڑھا ہو گا وہ اس بات کو خوب سمجھا ہو گا شکستہ حیوانات شرم وغیرہ کی علامات دکھاتے ہیں یہ دونو باتیں وہ شکاری خوب سمجھتے ہیں جو کہ توں شکار کھیلانے میں کہ جب کتا شکار مار کر شکاری کے رو بردلاتا ہے تو اکیسی اپنی آنکھیں چمکاتا ہے اور جب شکار نہیں ہاتا ہے تو شکاری کے پکارنے پر اکیسی دم دبا کر اپنے نہیں دیکھتا ہے۔

مہتمم حیوانات میں محبت و عداوت ہوتی ہے بہت کتے اپنے آقاؤں کے دفن میں انکی قبروں تک ساتھ گئے ہیں ورنہ مرنے کے بعد بکری کے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا۔ اور اسی رنج و مفارقت میں بھوکے پیاسے مر گئے۔ بعض جانوروں کے ان آدمیوں سے لڑنے کے لئے ہیں مدتوں کے بعد اپنا انتقام لیتے ہیں +

پس ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیوانوں میں قوت احساس اور اک۔ حافظہ سارا وہ عقل ہے۔ مگر عقل کا لفظ کو انسان اور حیوان دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ مگر عقل انسانی اوہ ہے اور عقل حیوانی اور ہے عقل انسانی میں عقل حیوانی داخل ہے۔ سچہ جو اپنی ماں دودھ پیتا ہے انہیں عصاب کو کام میں لاتا ہے جبکا چوسنے کے لئے کام میں لانا چاہئے۔ اسی عقل حیوانی کا کام ہے جو کوئی اپنے جلاتے میں علم ملینک کو اور کھی اپنے چھتہ بنانے میں علم سہندسہ کو کام میں لاتی ہے۔ انسان ان دونوں کو مانگو بغیر علم ملینک و علم سہندسہ جانتے کے نہیں کر سکتا +

(۶) انسان اور حیوان میں فرق +

اب سوال یہ کہ انسان اور حیوان میں فرق کس بات میں ہے۔ انسان میں وہ کیا شے ہے

جسکی ابتدائی حالت و نشانی حیوان نہ دیکھی جاتی ہو تو اسکا جواب تامل یہ زبان نکلتا ہے کہ انسان اور حیوان میں بڑا فرق یہی ہے کہ انسان منطق رکھتا ہو اور حیوان میں منطق نہیں ہے حیوان کسی طرح منطق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہی ایک امر حق ان حکما کی دلائل کو باطل کرتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کے کل قوا کے مبادی حیوان میں موجود ہیں یہ نجات و اتفاق ہی کہ حیوانوں پر انسان اول فخر مند ہو گیا ہے +

اگر منطق کا فقط یہی کام ہوتا کہ ہمارے تصور کو دوسرے آدمیوں تک پہنچا دیتا تو اسے حیوانوں پر شرف ایسا کیا حاصل ہوتا جس انسان کی ایڑی سے لگا ہوتا اس کو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حیوان کو کلمات نہیں بولنے مگر بھر بھی انہیں آپس میں کچھ بانیں ہوتی ہیں جب ایک ہیل کو مار تو اٹکے کل غول میں جو ایک وسعت عظیم میں پسلا ہوا نہ ہوتا ہے خبر ہو جاتی ہے کہ دشمن میرا کھڑا ہے ایک کیڑا اور کن ہوتا ہے جب اسے سلگوم دار چھو نذر مل جاتی ہے تو وہ اپنے چار پائوں کو خیر کر دیتا ہے اور اونکے ساتھ مل کر کھاتا ہے۔ کتے کو بولنا نہیں جانتے مگر بہت کلمات کو وہ سمجھتے ہیں وہ اپنے نام کو اور آقاؤں کے بلانے کو فوراً سمجھ جاتے ہیں طوطے آدمی کی بولی بولتے ہیں اگر زبان کو فقط خارجی علامات مانیں اور ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اور فوں تک پہنچانے کا جائز تو انسان کا شرف اور حیوانات پر باعتبار منطق کے چنداں نہیں رہتا۔ مگر جب منطق کے ساتھ قوا عقلیہ کا ضمیمہ لگا جاوے تو وہ حیوان سے انشرف اور متاثر ہوتا ہے۔ عقل انسانی کا کام یہ کہ وہ جزئیات کلیات کو اور اک کرتی عقل حیوانی یہ کام نہیں کر سکتی۔ اور اس اور اک کلیات کا اظہار منطق ہی سے ہوتا ہے جب انسان اور حیوان کے درمیان منطق ایک طاسری تمیز ہو تو منطق کو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک خارجی نشانی اور باطنی قوت تجربہ کی یا تراجم کی ہو جسکا دوسرا مروج نام عقل ہے +

(۷) منطق و عقل لازم ملزوم ہیں یعنی منطق بغیر عقل کے اور عقل بغیر منطق کے نہیں ہو سکتا

عقل اور منطق کے باب میں حکما محققین کے تین مذاہب ہیں ایک یہ کہتے ہیں کہ عقل اور منطق ایک ہی چیز ہیں حیوان ناطق کہنا یا حیوان عاقل کہنا ایک ہی بات ہے عقل نفس ناطقہ ہی کا نام ہے اور ایک ہی

شے کے یہ دو نام رکھنے ہی عجب ہیں اور سیفائذ بات کا بڑا نام ہے دوسرے یہ کہتے ہیں کہ فطرت
 و عقل لازم و ملزوم ہیں یعنی نطق بغیر عقل کے اور عقل بغیر نطق کے نہیں پائی جاتی تیسرے
 یہ کہتے ہیں کہ نطق و عقل لازم و ملزوم نہیں اگر یہ ہوتا تو گنگے بہرے جنگو نطق نہیں ہو بلکہ عاقل
 نہیں ہوتے۔ حالانکہ ہم انکو عاقل دیکھتے ہیں مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے جن بہرے کو نکلون
 کو تعلیم دیتی وہ دلیل استدلال کہنا و ردول کو ظاہر کرنا یعنی لال میں عقل کو کام میں نہیں لاسکتے وہ اس سبب کہ
 عاقلوں کی محبت میں ہی ہم یہ کچھ نشانیاں عاقل سمجھنے کی دیکھتے ہیں انکو ذہن میں کلی خیالات پیدا
 سمجھتے ہیں جنکو الفاظ میں بیان کر سکی قدرت وہ نہیں کہتو مگر اس سبب ہماری سبب اعتراض نہیں
 وارد ہوتا اسلئے کہ ان کو گنگے بہرے کو معلوم ہوتے ہیں جو انہیں خیالات عامہ کو اواز کو اندر الفاظ کی صورت
 بیان کر سکی قدرت کہتو ہیں اسلئے کہ ہم کو گنگے بہرے کو خیالات عامہ سمجھتے ہیں مگر الفاظ سے نہیں بلکہ
 اور علامات و نشانیوں سے یہ نشانیاں انکی آنکھوں میں وہی کام کرتی ہیں جو آواز ہمارے
 کان میں کرتی ہے یہ نشانیاں نہ شیا خود ہوتی ہیں نہ وہ تصورات ہوتے ہیں جنکی علامت
 الفاظ ہوتے ہیں بلکہ نشانیوں کی نشانیاں ہوتی ہیں جیسے کہ خط ہوتا ہے کہ وہ ہمارے
 خیالات کی نشانیوں یعنی الفاظ کی نشانی ہوتا ہے یعنی خیالات کی نشانی کی نشانی
 اکثر آدمی ایسے ہوتے ہیں گوکل نہیں کہ وہ اپنے ذہن کے اندر خیال و استدلال میں الفاظ
 کو کام میں لاتے ہیں یعنی دل ہی دل میں باتیں الفاظ میں کیا کرتے ہیں جب ہماری مفہومات
 الفاظ کے اندر ہمارے ذہن کے اندر آگئے تو اب سوال یہ ہے کہ یہ ممکن ہے یا نہیں کہ ہم الفاظ
 کو بغیر ردول کے اور ردول کو بغیر الفاظ کے کام میں لائیں یہ ناممکن ہے کہ الفاظ کو بغیر خیال کے
 استعمال کریں اور خیال کو بغیر الفاظ کے۔ یہہا اور بات ہو کہ جو الفاظ بولیں وہ ہمارے خیال کو
 صحیح صحیح نہ بیان کریں اور ہم الفاظ بے معانی بولیں یہ بولنا ایک صورت بے معنی کا نکالنا
 یہ ممکن ہے کہ ہم بغیر گویائی کے دیکھیں تصور کریں خواب دیکھیں مگر بغیر الفاظ کے ایک بھی
 خیال ایسا سدا سادہ نہیں کر سکتے جیسے کہ سیاہی و سفیدی کا استدلال کے معنی پر لئے
 جائیں کہ ہم عقل کے موافق دلیل کریں تو اس میں شبہ نہیں کہ نا تعلیم یافتہ گنگے بہرے۔ بچے
 حیوان استدلال نہیں کر سکتے۔ ایک بچہ بولنے سے پہلے مٹھی دکھائی چیز میں تمیز کرنے لگتا ہو

یعنی وہ یہ جانتا ہے کہ میٹھی چیز کڑی نہیں ہوتی اور حبی وہ اور بڑا ہوتا ہے اور اوسکو بولنا
آجاتا ہے تو وہ یہ جانتا ہے کہ دونا اور اس کے اندر جو مٹائی ہے وہ ایک چیز نہیں ہے۔ وہ مٹھا
کا مزہ لیتا ہے۔ اسے خوش ہوتا ہے۔ اوسکو دوبارہ مانگتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ مٹھا اس
کیا چیز ہے۔ اسپر وہ کچھ استدلال نہیں کر سکتا۔ ایک بچہ یہ جانتا ہے کہ ایک غیر آدمی میری ماں
نہیں میرے دودھ پینے کی بوتل مارنے کی لکڑی نہیں مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ ایک ہی وقت میں
ایک چیز کا ہونا اور نہ ہونا ناممکن ہے خلاصہ اوپر کی دفعہ کا یہ ہے کہ منطق عقل لازم ملزوم
ہیں۔ مگر اس سارے مباحثے کو ہم یہاں لکھنا مناسب نہیں جانتے +

(۸) اب اس تحقیق کے درپے ہوتے ہیں کہ انسان کی گویائی کے جو تخمینے جسے کہ لغات کے
مادے پیدا ہوتے ہیں وہ انسان کے ذہن میں کس صورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سوال کے
حل کرنے کے لئے یہ دو مسائل نظری پیش کئے جاتے ہیں اول یہ کہ حیوانات کی آوازوں
اور قدرتی اصوات کی نقل اتارنے سے انسان کے ذہن میں الفاظ کے مادے پیدا ہوتے
ہیں دوم اصوات طبعی سے اتار ہویں صدی میں مسئلہ اول کی طرف حکماء کا بڑا رجحان
اور اب بھی وہ بعض حکماء کا بڑا منظور نظر ہے۔ اب ہم اسکا امتحان تحقیق کے ساتھ کئے
ہیں۔ اس مسئلہ میں یہ بات مان لی گئی ہے کہ انسان خاموش تھا۔ اسے پرندوں کی کتوں -
گایوں کی آوازوں کو۔ بادل کی گرجوں سمندر کے غل شعروں جنگل کی سائیں سائیں ندیوں
کے پانیوں کی دھل دھلوں کو اور اسی قبیل کی اور چیزوں کی اصوات کو سنا اور ان آوازوں
کی نقل اتاری اور ان سے اسکی سمجھ میں وہ چیزیں آنے لگیں جسے وہ آوازیں کہتی تھیں پس
اس ترکیب سے اپنی زبان بنالی مثلاً اسے بکری کو دیکھا کہ اسپر بال سفید و نرم ہلکا درودہ میں
گرتی ہے۔ باصرہ۔ لامسہ سامعہ جو نقش اس کے ذہن میں جائے۔ ان سب میں سامعہ کا
نقش غالب تھا اور وہ بکری کی ایسی صفت ظاہر کرتا تھا جو اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص
نہی پس اسلئے اسے بکری کا نام میں رکھ لیا۔ اور فقط لفظ میں کو سنکر وہ بکری سمجھنے
لگا۔ اسی طرح کو بوتر کا نام غمخوئی رکھ لیا۔ ایسے ہی یہ الفاظ وضع کر لئے جسے کہ کھٹکا بیٹا
غمرہ قہقہہ۔ فرقرہ قفل غفل وغیرہ ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ کے جمع ہونے سے

کیا ہمارے زبان بن سکتی ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ہر زبان میں اس قسم کی اسم بہت ہی تھوڑی
 ہیں کہ وہ جانوروں کی آوازوں اور قدرتی اصوات کے بنائی گئی ہوں اگر وہ سب جمع کئے
 جائیں تو ایک چھوٹی سی فرنگ تک نہ پہنچیں۔ ایسے الفاظ زبان کے کھلنے میں آلات نہیں ہیں۔
 کہ وہ زبان کو بنا دیں بعض علما تحقیق نے بڑا خون جگر کیا ہے کہ وہ سب وجہ اور ضروری الفاظ
 کو انہیں آوازوں کی نقل میں تحویل کر دیں مگر ان کو بالکل ناکامیابی ہوئی اب تک کوئی
 زبان اس اصول کے موافق نہیں بنی بعض اوقات اس قسم کے الفاظ غیر قوموں کے درمیان
 واسطہ گفتگو ہوئے ہیں ایک انگریز کسی چینی کے ہاں مہمان تھا جب اسکے سامنے گوشت
 کی رکابی آئی تو انگریز نے کہا کہ کوئک کوئک (خط خط) یعنی بٹا کا گوشت چینی نے کہا کہ
 بہوں بہوں یعنی کتے کا گوشت ہے۔ ایسی باتیں دل بہلانے کے لطیفے ہیں ان سے زبان
 نہیں بن سکتی۔ اس اصول کا ہر تاؤ فقط حیوانوں کے چند ناموں میں ہو سکتا ہے مگر حیوانوں
 کے بھی نام بہت ایسے ہیں کہ ان کے ناموں اور انکی بولیوں میں کچھ مناسبت نہیں۔ مثلاً
 لکٹے کے لفظ کو بھجوں بھجوں کہتے ہیں لکٹے کو میاؤں میاؤں کہتے ہیں۔ مگر بکری کے لفظ کو بکریوں
 کہتے ہیں۔ کبوتر کو خرخرے سے کچھ مناسبت نہیں اور سوار میں حیوانات اور جیریں بھی ہیں کہ انکے
 ناموں کو انکی آوازوں سے مشابہت نہیں۔ بکلی کے لفظ کو کرک سے ہوا کو سائیں سائیں سے
 کیا مشابہت ہے۔ اس اصول کے برخلاف بہت حکما کی رائے ہو رہی ہے کہ اس اصول کا
 ماننا انسان کو حیوان سے کمتر بنانا ہے۔ انسان کو اسکی ضرورت کیا ہے کہ وہ پرندوں اور
 موشیوں کے اس باب میں سبق پڑھے وہ خود دنا چلانا ہائے وائے کرنا۔ قاہ قاہ کرنا پوجہ پوجہ
 کرنی۔ آخ آخ کرنا خوف و تکلیف خوشی میں بالطبع آوازیں نکالنی جانتا ہے جب بجار ہو گا
 ہائے ہائے کی آواز اسکے منہ سے بے اختیار نکلے گی یہ اصوات طبعی اس میں موجود ہیں
 ضرورت اور حیوانوں کی آوازوں کی نقل اتارنے کی کیا ہے +

اب دوسرا اصول جو اصوات طبعی کی نقل سے زبان بننے کا ہے اسکے برخلاف بھی وہ
 دلائل پیش ہو سکتی ہیں جو اول اصول کی نسبت پیش ہوئیں اس میں شک نہیں کہ ہر زبان
 میں الفاظ مذاذہ اور آواز طبعی سے بعض الفاظ اخذ ہوئے ہیں مگر یہ اصوات تو زبان کی

حواشی میں جہاں زبان شروع ہوتی وہاں وہ ختم ہوتے ہیں اصلی لفظ اور اس صوت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ کہاں سننا کہاں قافہ قافہ کی آواز۔ کہاں رونا کہاں اسکی آواز یہ کہنا کہ زبان اصوات طبعی سے بنتی ہے۔ یہ کہنا کہ ہم بھی اس طرح بولتے ہیں جیسے کہ گٹا بھوکٹا ہے کہ بھوں بھوں کی آواز بالطبع اس کے منہ سے نکلتی ہے۔ یہ اصوات فقط اس لئے ہیں کہ انسان اپنا حزن و ملال و مسرت و انبساط اور دل پر ظاہر کرے۔ اصوات طبعی ہماری زبان کا ایک حصہ ہے جب ہماری جذبات و خواہشیں وغیرہ ہم کو اپنی طبعی حالت پر لاتی ہیں تو یہ اصوات طبعی ہمارے منہ سے بے اختیار نکلتی ہیں اور اس وقت وہ ہماری گویائی کو بھلا دیتی ہمارے بعض حالتیں ہم پر ایسی طاری ہوتی ہیں کہ سوار ان مختصر اصوات کے اور الفاظ بولنے کی فرصت نہیں ملتی +

خلاصہ یہ ہے کہ ان دو اصول کے موافق بعض الفاظ بن سکتے ہیں مگر زبانیں جو رنگ پرنگ کی صدا باطرح کی ہیں وہ انہی بن سکتیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی مناسب قع و محل پر یہ مختصر صوت طبعی ایک طے ل تقریر سے زیادہ موثر ہو سکتی ہے۔ یہ اصوات طبعی ہمارے دل کی بعض کیفیتوں اور حالتوں کو الفاظ سے کہیں زیادہ اچھی طرح بیان کر سکتی ہیں جب ہم بے اختیار کسی چیز کو دیکھ کر پوہ پوہ یا چھی چھی کہتے ہیں تو اس صوت طبعی سے جیسی ہماری نفرت قلبی ظاہر ہوتی ہے ایسی کسی لفظ سے نہیں ظاہر ہو سکتی۔ اگر ان دونوں اصول مذکور کو مسلم مان لیں تو پھر کسی جواب دہ پر مذکور نہیں کہہ سکتے کہ وہ نطق نہیں کہتا تو طوطو نکو کیا بلکہ اور پرندوں کو بھی جو انسان کی بولی کی نقل اتارتے ہیں یہ کہنا پڑے گا کہ وہ بھی ناطق ہیں حیوان ناطق نہیں ہو سکتا۔ جبکہ بیان باب اول میں کیا گیا +



باب سوم فارسی زبان فصل اول فارسی زبان کا بیان

(۱) باب دوم میں بیان کیا ہے کہ یہ محال ہے کہ انسان زبان کا حال صحیح صحیح از ابتدا تا انتہا بیان ہو سکے جو ایک وسیع قطعات زمین میں ایسے قدیم زمانہ سے بولی جاتی ہو جو یاد سے بھی فراموش ہو گیا ہو۔ اسکے آغاز کا جو زمانہ ہوتا ہے اُس پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ اگر ہم اپنی فہم و ذکا کو آفتاب بھی بنا کر لے جائیں تو وہاں دسکی روشنی ذرہ کی برابر بھی کام نہ کرے۔ مگر علما و محققین نے زبان کے لئے ابتدائی زمانہ قرار دیتے ہیں جسے مُرداوِ نکی یہ ہوتی ہے کہ اس پہلے زمانہ کا حال ہم کچھ نہیں دریافت کر سکتے۔ پھر زبان کی زمانہ کی ابتدا یوں قرار دیکر اسکا حال اس زمانہ کی آثار و قدیمہ سے جسے کہ عمارتِ گنبدی اسکے نوشتے۔ الفاظ ہیں برسی تدقیق سے تحقیق کرتے ہیں مگر اس تحقیقات کے مقدمات مرتب کر کے جو نتائج وہ نکالتے ہیں اور ان پر اپنی رائیں جماتے ہیں وہ ایسی متضاد و متخالف ہوتی ہیں کہ کوئی امر ایسا ثابت نہیں ہوتا کہ اُس پر یقین کا یا ظن غالب کا حکم لگ سکے۔ اونیویں صدی میں تحقیق زبان کی جن راہوں پر مغربی محققین چلے گئے ہیں وہ بر مشرقی محققین نے کبھی قدم نہیں کہا۔ ان راہوں میں چلنے کا اسباب کبھی ان کو میسر نہیں ہوا۔ ان کی تحقیق کے طریق ہی کچھ اور تھے۔ اصول و نيات کے باب میں جو تحقیق کا مشرقی طریق ہے وہ اس باب میں بیان کرونگا اور فارسی زبان کو اُس کی مثال بناؤنگا۔ اسکا مقابلہ مغربی تحقیق سے یہی کرونگا طلبہ کا جی جسکو چاہے پسند کرے۔

(۲) مشرقی تحقیقات

یہ تحقیقات زیادہ تر میں خان آرزو کی تحقیقات کرتا ہوں جسکا خطاب سراج المحققین ہے وہ سب اول قدیمی فارسی زبان یعنی زند کی نسبت لکھتا ہے کہ کتاب اوستا مہجوسیوں کے زعم میں کتاب آسمانی ہے کہ اُنکے پیغمبر اہیم زردشت پر نازل ہوئی ہے اور زند اُسکی تفسیر ہے اور یازد اس تفسیر کی تفسیر ہے وہ بھی زردشت کی تصانیف ہے۔ ان سب کی زبان

پہلوی بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ زردشت نے جو بادشاہ بنو کرے نام خط لکھا تھا اسکو ہرے کے چند بار پڑایا ہے اسکی بھی زبان پہلوی تھی۔ اس کے نزدیک زردشت کی تصنیفات کی زبان اصل میں پہلوی تھی۔ جواب متروک الاستعمال ہے۔ زبان پہلوی کے بعد زبان دہری ہے اور زبان وری کے بعد زبان فارسی جو بالفعل متعارف ہے۔

یہ بھی مشرقی علماء نے عجیبے سے ویڈو ہکوسہ بنایا ہے کہ زردشت کو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اصل آذر و دست یعنی لگ کا دوست کہتے ہیں۔ غرود نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لگ میں ڈالا تھا تو وہ گھڑا ہو گئی تھی۔ یوں لگ نے اونکے۔ اتھہ دوستی کی تھی اسلئے آذر و دست زردشت ایک ہیں۔ پھر ایک محقق نے لکھا ہے کہ زردشت کی تصنیفات ایسی کثیر ہیں کہ وہ گائے کی بارہ سو مکھالوں پر لکھی جاتی تھیں۔

(۳) زبان فارسی بہشت گانہ -

خان آرزو لکھتا ہے کہ فارسی زبان سات طرح کی ہے پارا نہیں سے ہروی (ہرات کی) سگری (سجستان کی) زابلی (زابلستان کی) سفدی (سفدی) متروک ہیں کہ انہیں نامہ اور کتاب نہیں لکھ سکتے اگر ان زبانوں میں سے ایک دو کلمہ بیت غزل میں لائیں تو روا ہے باقی تین زبانیں متداول ہیں۔ انہیں نامہ و کتاب لکھ سکتے ہیں اور شعر کہہ سکتے ہیں ایک انہیں فارسی زبان ہے۔ تمام ایران اور توران میں بالفعل اسمیں حکم اور ترسل جاری ہے۔ ہندوستان بھی اسکا نتیجہ کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں قطعہ قطعہ پر زبان کا لہجہ کہیں لہجہ ہے کہیں لہجہ ہے ایسا ہی حال ایران میں ہے کہ فروزیں۔ کیا ان۔ خراسان کے ہر ناحیہ و شہر میں لہجہ اور الفاظ متخالف مروج ہیں کاشان میں الف و نون جب برابر آتے ہیں تو الف کو واو سے بدل لیتے ہیں ایسے ہی فتحہ کو ضمہ سے چناں کو چنوں۔ کماں کو کموں۔ شراب کو شراب اور کباب کو کباب۔ روزن جواب بولتے ہیں جس کلمہ الف و نون جمع کا آئینگا اس کو واو پڑینگے۔ عراق و شہر زنی بھی وضع حکم بھی اختیار کی۔ دکان کو دکن۔ جان کو جون۔ کینگے بعض قطععات میں فتحہ کو کسرو سے بدل لیتے زحمت کو درخت کہینگے۔

دوم زبان وری ہے بعض کے نزدیک ہن زبان کا نام جو ہمیں کلمات میں حذف نہیں ہوتا۔

شکم۔ بر۔ کو فروں کی جگہ شکم۔ ابر۔ بگو۔ افروں کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دری وہ لغت ہے کہ وہ ان چند شہروں۔ بلخ۔ بخارا۔ سجان۔ میں بولے جاتے تھے۔

بعض کہتے ہیں کہ اہل بخشاں کی زبان کا نام دری ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دری وہ زبان ہے کہ درگاہ گیاں میں بولی جاتی ہے۔ مجد الدین قوسی شوستری کہتا ہے کہ جیسی ایکبک کی توصیف دری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ درہ کوہ میں پاتا ہے ایسی ہی فارسی کی تعریف دری اسلئے ہوتی ہے کہ وہ درہ کوہ میں بولی جاتی ہے۔ مگر ارباب الضاف پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ دونوں نسبتیں بعید از قیاس ہیں اسلئے کہ ایکبک دری تو ایکبک ایک قسم ہے جبکہ جثہ بہت کلاں اور رنگ اسکا اور یکبکون کے رنگ سے بہتر ہوتا ہے اگر ایکبک کو درہ کے رہنے کے سبب ایکبک دری کہتے تو چاہئے تھا کہ کل یکبکون کی دری کہتے پس فارسی کو اس معنی کر دری کہا بعید ہے بعض رسالوں میں دری کے معنی برگزیدہ و خاص کے لکھے ہیں۔ اگر یہ معنی ثابت ہوں تو انسب و اولیٰ امین اسلئے کہ اس صورت میں دنیا کی توصیف ہم معنی ہو جائیگی۔ جانتے ہیں کہ ہر شہر میں خاص کردار السلطنت میں صنف و ہر بلد کے آدمیوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور اس سبب شہر کی زبان اور نہ بانوں سے مخلوط ہوتی ہے قصبات و دیات اس احتلاط سے یوں محفوظ رہتے ہیں کہ وہاں بیگانوں و غل کم ہوتا ہے اسلئے انکی زبان بجاالت خود رہتی ہے۔ درہ کوہ کی زبان غالباً فارسی ہوگی اسلئے بخشاں کی زبان کو دری کہتے ہونگے کیونکہ وہ کوہستانی ملک ہے بعض کتب اصول لغت عربی میں لکھا ہے کہ مشہر فصیح زبان عربی وہ ہے کہ اور زبانوں سے آمیختہ نہ ہو اسلئے قبائل عرب جو سرحد شام یا ولایت یمن یا حبش کے نزدیک رہتے ہیں انکی زبان پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسلئے کہ بنادر میں تجارت کے سبب انکی آمیزش غیر قوموں سے اور انکی زبان کی آمیزش اور غیر زبانوں سے رہتی ہے غرض پاکیزہ زبان وہی کہلاتی ہے جو اپنے دامن پر غیر زبان لفظ کو ناپاک و صہبہ سمجھے۔ اسلئے خلا علامہ سیوطی نے مزربیس لکھا ہے کہ قبائل عرب ہر سال زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے تھے۔ اہل مکہ نے انکی زبانوں میں محاورات و کلمات عمدہ عمدہ انتخاب کر کے اپنی زبان میں داخل کر لئے۔

اسلئے اونکی زبان گویا قبائل عرب کی زبانوں کا خلاصہ اور عطر بن گئی بعض بھی کہتے ہیں کہ درمی وہ زبان ہے جو بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔

سوم زبان پہلوی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ پہلو پارس کے باپ کا نام تھا۔ یہ زبان اوسکی زبان سے مستفیض ہوئی ہے۔ ایک فقرہ کہتا ہے کہ پہلو کے معنی منسوب پہلہ ہیں اور پہلہ کے واسیہان و دمنور کو کہتے ہیں یہاں کی زبان کا نام پہلوی ہے ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ پہلوی اس زبان کو کہتے ہیں کہ پائے تخت کیاں کے پہلوان بولیں۔ پہلوی کو پہلوانی بھی کہتے ہیں پس جب درمی اس زبان کو کہنے لگے کہ بادشاہوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔ اور پہلوی اس زبان کو کہیں جو بادشاہوں کے پایہ تخت کے پہلوان بولتے تھے تو یہ دونوں زبانیں ایک ہوئی جاتی ہیں۔ فقط اتنا تفاوت رہتا ہے کہ جس زبان کا نام پہلے پہلوی تھا اسی کا نام بعد ائینے ماند گذرنے کے درمی ہو گیا۔ اور اس زمانہ کے سب سے پہلے حکم میں کچھ تغیر ہو گیا۔ حق تحقیق تبہ کہ معتبر فارسی وہ ہے جو اردوے یاد شاہی کی زبان بعد اختلاف جماعات متفرقہ کے قرار پائے اسلئے نظم نضی و شریعت میں اس زبان کے سوا کوئی اور زبان نہیں ہوتی اگر موقوفہ بسبب قلت کے حکم عدم رکھتی ہے۔ سب طرح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زبانوں میں فصح زبان اردو ہوتی ہے۔ کسی خاص ملک کی خالص زبان شعر و انشا میں منظور نہیں ہوتی یہی سبب کہ شاعر خواہ کسی ملک کا ہو مثلاً خاقانی شروان کا نظامی گنجی کا یسنائی غرین کا جسنر دہلی کا۔ اس مقررہ خاص زبان اردو میں حرف و بیان (۴) اب غریبی علماء تحقیقین کی داستان سنئے کہ وہ زبانوں میں ولایت کا تاج منسکرت کے سر رکھتے ہیں اور اسکے بعد دوم پہو کی کلاہ زند کے سر پر رکھتے ہیں ایوان کتب آسمانی میں وید کا سنگھاسن صد میں سجاتے ہیں اور اسکے بعد زنداوستا کی گڑسی بچہاٹے ہیں۔ وہ زند زبان کی تحقیقات میں کہاں کی بال نکالے ہیں اور حق تحقیق ادا کرنے میں اسکی ابتدا اس طرح ایک فرانسیسی فاضل این کوئی ٹل پرورن تھا۔ اسنے کسی کتب خانہ میں زند کا ایک ورق پڑھا جسکے سبب اسکو زند کے مطالعہ کا شوق وہ پیدا ہوا کہ اسنے جہاز کے کرایہ کی تخفیف کے لئے اپنا نام فرانسیسی سپاہ میں لکھوا یا جو ہندوستان کو آتی تھی۔ وہ یہاں ۱۵۶۲ء سے ۱۵۸۰ء تک

چہ برس تک بمبئی ہندوستان کے مختلف اضلاع میں پرتار ہوا اور زرتشت (زردشت - زرواشتر - زرد ہوش) کی تصنیفات کی آتش میں سہرگرم رہا۔ جہاں کہیں کوئی اسکا پارہ یا ورق ہاتھ لگا اسکا سبق یا سری دستوروں سے پڑھا۔ مضمون کو دماغ میں کہا اور کتاب کو غفل میں۔ بعد ازین مقلد اسکے پیدا ہوئے۔ ایک نمارک کا فاضل اجل رسک ممبئی میں آیا۔ زرتشت کی تصنیفات کے قلمی نسخوں کے بہم پہنچانے کے لئے اپنی کوشش سے بھی روپیہ کی مدد دیا تا رہا۔ اس نے اس کے ایک مضمون لکھا جس میں مذکور کیا ہے جو داک ایک اصل زبان ہونا ثابت کیا اور ان تین باتوں سے بحث کی +

اول - زرد ایک جداگانہ زبان ہے یہ نہیں ہے کہ وہ گڑھی ہوئی سنسکرت ہو +

دوم - زمانہ حال کی فارسی زبان کا ماخذ و منبع زرد ہی ہے +

سوم - زرد سکندر کے زمانہ سے پہلے کتابت میں آئی +

پھر برونو نے اصل زرد کے قلمی نسخے جمع کئے اور اسکی گریمر صرف ونحو کا چربہ بنا۔ اسکی تصنیفات اور یورپ کی تحریرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنسکرت کی (ویاکرن) اور لغات جیسے زرد کی گریمر اور اسکے لغات ملتے ہیں ایسے کسی اور زبان سے نہیں ملتے۔ بہت الفاظ زرد میں ایسے ہیں کہ صرف حرفوں کی تبدیل سے انکا ترجمہ سنسکرت میں ہو جاتا ہے سنسکرت کا سا زرد میں مہ ہوتا ہے۔ زرد میں ہندوستان کا نام بہت ہندو آتا ہے۔ وید میں اسکا نام بہت سندھو آتا ہے۔ یہ نام سات دریاؤں کے سبب آتا جنہیں پانچ دریا پنجاب اور دو دریا سندھ و سرتی ہیں وید اور زرد میں ایک سے سو تک عداو کے نام ایک ہی سے ہیں۔ ہندوستان اور ایران ان دونوں ملکوں کے قدیمی زبانیں مذہب میتھو لوجی ایسی ملتے جلتے ہیں کہ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان ہی سے آریا قوم نقل مکان کر کے ایران میں جا کر بسی ہوئی مگر اسکے برعکس محققین کی کثرت رائے ہے طرفین کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط قیاس ہی قیاس کے افسانے ہیں اس باب میں ایک محقق نے یہ خوب تشبیہ بیان کیا ہے کہ وید و زرداوستا ایک ہی شے کے دو دریا ہیں۔ وید کا دریا بھر پور صاف ستھرا رہا اور اپنی اصلی حالت پر چلتا رہا مگر زرد کا دریا ایسا مکر اور آلودہ ہوا کہ اسکا رستہ بدل گیا اور

اپنے سرچشمے سے ایسا قطع تعلق ہو گیا کہ دوسکا پتا وہاں تک اب نہیں لگتا۔ یہ حال تو زندہ اصل
 زردشتی زبان کا ہے۔ اب دوسرا زمانہ فارسی زبان کا کچھ یمنون کی زبان کا ہے وہ ایسے
 خط میں لکھی جاتی تھی جسکے حرفوں کی صورتیں تیروں کی سی لکھو تھیں۔ یہ خط اور زبان میں
 دو کتابیں ایک پریس پوس (اسختر) کے کہندڑوں میں اور دوسرا ہستان کی پہاڑیوں
 میں ہے انکے پڑھنے میں بعض محققین نے بڑا خون جگر کیا۔ اور اسکو پڑھ کر بہت سی زبانوں
 کے عقدے کہو لے یہ کتابے جب تک پڑھے نہ گئے یہ معلوم ہوتے تھے کہ وہ نازک تیروں
 و منجوں کا ایک گول ڈھیر لگا ہوا ہے خط کا اظہار گمان ہی نہیں ہوتا تھا۔ یہی زبان زنداوستا
 کی ہے مگر دوسرا زمانہ کی اس زبان کے بعد تیسرا زمانہ زبان ہزوریشی لکھی ہوئی ہے جسکو پہلو می بھی کہتے
 وہ مغربی ایران و میدیا و پارس کی زبان ساسانیوں کے عہد کی ہے جو سنہ ۲۲۴ء
 سنہ ۶۵۱ء تک رہا۔ اس خاندان نے ایران کی سلطنت میں جان دلی تھی اور اس کو پیریا
 کیا۔ اور پھر اپنی قومی زبان کو جو مردہ ہو چکی تھی زندہ کیا۔ اور مغربی اصلا میں اسکو جنگا یا
 اس زبان میں کتابے حاجی آباد اسختر کرمان شاہ میں اور کتابیں بھی زردشت مذہب
 کی موجود ہیں کتابوں میں سب زیادہ عمدہ کتاب زنداوستا کی اکثر حصوں کا ترجمہ ہے
 جنکے نام یاسنا۔ و سپراد۔ وندی داد میں اور اصلی کتابیں مذہبی ہندویش سنگند گیانی
 دین کرت۔ آتش برام ہیں۔ اس زبان میں سبھی تہذیبوں کے الفاظ بہت مخلوط ہو گئے
 ہیں جسکے سبب اسکی صرفت و نحو زندگی صرف و نحو کی طرح باقاعدہ نہیں رہی اور ان بیگانہ
 زبانوں کی آمیزش سے اسکی حالت ایک سی نہیں رہی۔ یہ پہلو می زبان حال کی فارسی
 زبان سے زیادہ اختلاف نہیں کہتی۔ اسکے بعد جو تہا زمانہ باز زنداوستی کا آیا یہ وہ زمانہ
 ہے کہ پہلو می زبان بیگانہ زبانوں کے الفاظ کی آلائش سے پاک صاف کی گئی۔ کل الفاظ غیر
 زبانوں کے خارج کئے گئے اور تھوہ فارسی زبان کے الفاظ انکی جگہ رکھے گئے اور اس
 خالص زبان کا نام باز زنداوستی رکھا گیا اور اس باز زندی سے حال کی فارسی سنہ ۱۰۰۰ء
 سنہ ۱۵۰۰ء کے درمیان بنی۔ یہ باز زنداوستی خالص زبان جنوبی مغربی اصلا ایران کی تھی مغربی محققین
 زبان پارسی جب تک دوسری کا شاہنامہ نہیں پڑھا جو سنہ ۱۰۰۰ء میں تصنیف ہوا وہ فارسی زبان

محض نا آشنا تھے۔ اوں کو پڑھ کر بھرا ایسی تحقیقات کے دریے ہوئے کہ ہزاروں ورق کلمہ
 ڈاڑھے اندر زروشتیوں انجی میثیوں و ساسانیوں کی تاریخ تحریر کی۔ ژنداوستا کے پانچ
 پانچ کے نسخے موجود کئے ہوئے صاحب جو یونان کا پچیس سنکرت کے پروفیسر تھے ژند کی
 اگر بحر و دکنسری وہ بے نظیر لکھی کہ کسی پارسی کو بھی لکھنی نصیب نہیں ہوئی۔

(۵) مسلمانوں کے عہد میں فارسی علم ادب کا بیان +

ساسانیوں کی سلطنت تزلزل کے بعد زبان پارسی میں بڑا تزلزل آیا عرب کا حکم پر
 تسلط ہوا۔ اہل عرب کی ابتدا شیر نے اہل عجم کو آتش خانوں کی آگ کو ایسا بجھایا کہ پہر انکو
 روشن ہونا نصیب نہیں ہوا۔ زروشتی مذہب پر اسلام درناز ہوا۔ اکثر اہل ایران نے اسلام
 قبول کیا۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ اپنے مذہب پر اپنے وطن میں جزیہ دیکر برقرار رہے۔ کچھ انشور
 دستور ایسے بھی تھے کہ انہوں نے مسلمانوں کے خدا اور رسول کو نہیں مانا۔ جلا وطن ہونا
 پسند کیا۔ اپنی کتب مقدسہ و قدسی نوشتے جو غارت ہوئے کچے تھے جان و ایمان کے تعویذ
 اپنا کے ساتھ لے گئے یہ وہی بقیہ کتب مقدسہ جو جسکی تحقیق میں مغربی محقق کا جو انیاں تو
 ہیں یہ ایک عظیم قدرت ہو کہ فاتح مفتوح سے جیسا کہ ملک سلطنت۔ دولت و جان کو دفتہ
 اکھینچ لیتا ہے۔ ایسا اسکی زبان کو نہیں چھین سکتا۔ مدتوں تک وہ اپنے حال میں رہتی ہے اور
 بتدریج ایک زمانہ میں تبدیل ہوتی ہے۔ فارسی علم ادب کو سکندر اعظم کے ستم سے برباد ہو چکا
 تھا۔ مگر ساسانیوں کے خاندان نے بہر اوسکی صورت بنائی تھی۔ مگر اب کی دفعہ اوسکے وارث
 ایسے پریشان ہوئے کہ انکی شیرازہ بندی تو نہ ہوئی مگر نے اپنے تئیں ایک نئی صورت میں
 دکھایا کہ اسمیں لغات عرب نے فارسی لغات اپنا سکہ جمایا اور اپنا اثر شروع کیا۔ اہل فارس
 ریاست سیاست حسن ملک تدبیر جنگ وضع اشیا فن اثنا پائیز کی اختراع طعام لذیذہ و خوشبو
 پسندیدہ و لباس خوش قطع میں مشہور و نامور ہمیشہ سے چلے آتے ہیں انکی زبان کی شیرینی
 سب کے نزدیک مسلم ہے جبکہ مذہب میں سلطنت میں اہل عرب محکوم ہوئے تو انہوں نے
 حاکموں کی زبان عربی میں وہ ملکہ و استعداد ہم پہنچا یا کہ اہل عرب کو بھی پیچھے بٹھایا۔ اگر عربی
 زبان کی کتابوں کے مصنفوں کی فہرست بنائی جائے۔ تو ہر فن و علم کے مصنفوں کی تعداد

فارسوں کی زیادہ ہوگی۔ انہیں بڑے بڑے زبردست حمید و مستند عالم فاضل شاعر حکیم فلسفی۔
نحوی۔ صرفی۔ معرخی۔ مفسر۔ محدث ایرانی ہوئے ہیں۔ اور عربی زبان میں انہوں نے اپنے ہمال
دکھائے اور اپنی زبان کو بہتے نہیں صرف اتنا نصف اس میں مذہب سلطنت کی
مجبوری سے انکو کرنا پڑا کہ فارسی الفاظ عربی الفاظ مخلوط کرنے کے جیسے کہ ایران پر ظم
اسلام قائم ہوا فارسی علم ادب کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اسکی طرز و طور مرد و جوان مختلف
ہوتی رہی (۹۵۱ء) اسکے اول ابو جعفر عبدالعزیز مروکی نے شعرا کی تدوین کی اور انہیں
مسلمانوں نے پہلے بھی شعر کہے مگر وہ قلم کے سبب حکم عدم رکھتے ہیں گو یہ شاعرینائی سے
محروم تھا مگر بادشاہ وقت کی حمایت کے دولت سے معمور تھا۔ دو سو غلام اسکی خدمت کرتے تھے
ایسا پڑا کرتا کہ کہتے ہیں کہ تیرہ لاکھ شعر کہے تھے مگر اب کلام بہت ہی کم باقی ہے کلید و منع
جسکا ترجمہ نظم میں اُسے کیا تھا وہ کہیں نہیں ملتا۔ اسکی طرز گفتگو اور استعمال الفاظ جو تھا وہ ا
متروک ہو دستخط قابوس ایک طبی بادشاہ تھا اُسے قابوس نامہ لکھا حکیم سنائی نے فارسی
زبان میں ایکے وہ اور کھلائیں ہزار شعر تصنیف حدیقہ سنائی انکی تصنیف کے مشہور کتاب
محمود و خنوی کے زمانہ میں شاعری نے اپنا نیا رنگ لکھایا۔ چار سو شاعر اسکے دربار میں موجود تھے
تیس ہزار قصیدے اسکی تعریف میں لکھے گئے۔ فردوسی۔ عسجدی۔ عسجدی مشہور شاعر ان میں
کے ہیں اس طرز کار و رواج اوائل عہد نظامی خاقانی انوری کا ال اسمعیل تک ما۔ پھر ان
شاعروں نے ان کا رنگ بدلا جو سے کرمانی سعدی شیرازی نے ایک تازہ مینا و ڈالی ایک
نخل بند شعرا کہلاتا ہے۔ دوسرے پیغمبر سخن۔ پھر اُس کے بعد حسن و دہلوی نے ایک سنگامہ تازہ سرا
کیا اس طوطی شیریں مقال ہندی کی تصنیفات معلوم ہوتا ہے کہ اسکی زبان غزل میں زبان
سعدی کے قریب تھی یعنی میں حسن نظامی سے بچ کر کئی تھی قصید میں خاقانی سے ملتی تھی۔
بعد اسکے شمس الدین حافظ شیرازی نے شور سخن کو نمک تازہ بنایا۔ پھر دارالملک انط و عری
سلطنت کی نوبت مولانا جامی کی چونچ۔ تھوڑی مدت میں قرق بھی پلٹ گیا قلع ٹوٹ گیا
شعراء شہیدی۔ قمی و جیرتی و عبرتی و عری شیرازی و دہلوی و نظیری و نیشابوری فیضی و
نے بابا فغان کا متع کیا۔ انہیں سے نور الدین دہلوی نے نظم و نثر میں ایک طرز اختیار کیا جو متاخر

میں اسکی طرز پر کوئی نہ چل سکا مرزا محمد علی صاحب نے عالم سخن اور ہی پیدا کیا اگرچہ بعض اہل
ایران کہتے ہیں کہ کلام ابوطالب کلیم کلام صاحب پر تفوق و ترجیح رکھتا ہے لیکن دیوان صاحب
کا منتخب کلیم کے دس ٹیوٹوں کی برابر ہے۔ پھر انکے محضر یا شاگردوں جیسے کہ مرزا جمال اسیر
شہرستانی اور ملا قاسم شہیدی ہیں اور ہی راہ مختاری اور اپنی طرز کا نام طرز حیاں رکھا۔
اور ایسے دور کے جنالات میں سترکہ اشعار بے معنی ہونے لگے۔ شعراء مہند نے اسیر وقاسم کی طرز
کو پسند کر کے کچھ اور ہی رنگ فارسی میں پیدا کیا اور جنالات و عبارات تازہ تراشنے لگے جیسے
شاہ ناصر علی و مرزا عبد القادر بے دل ارواح خاں واضح ہوئے جو شاعر ایران سے آئے
اور بخوش دیکھا کہ ہندوستانی زبان کی خوبی و نکات کو سمجھتے نہیں مگر استعارات و تشبیہات کا مذاق
رکھتے ہیں اسلئے انہوں نے اپنے کلام میں وہ استعارات و تشبیہات کی افراط کی کہ زبان کی خوبی
ان رنگوں میں چھپ گئی شاعری میں علم تصوف بھی اپنا بہت تصرف کیا۔ فرید الدین عطار
کی کتاب میں سنائی کا حدیقہ جلال الدین رومی کی مثنوی سر تا پا مصانین تصوف سے بھری
ہیں عشق مجازی کے سائے سامان می و معشوق و ساقی و بہار کے معنی جدید گھر کر عشق
حقیقی کی اصطلاحات قرار دی کر شاعری کا ڈھنگ ایک بنا کر دیا حافظ شیراز کا کلام اس قسم
کی شاعری میں سب پرمقت لیکھا۔ جو نظم کا حال بیان ہوا وہی نثر کا ہے نثر میں نظمیت
نظم کے عربی الفاظ کا زیادہ استعمال ہوا۔ بعض فارسی کتابوں میں تو عربی الفاظ ایسے
مشکل و متردک متعل ہوئے کہ وہ عربی زبان کی کتابوں سے زیادہ مشکل ہو گئیں جیسے کہ و صاف

درہ نادرہ وغیرہ ہیں +

(۶) فارسی زبان کی فضیلت میں آیات و احادیث +

ایرانی مسلمان اپنی فارسی زبان کو باب میں بڑے فخر و مہابت کی روایات و احادیث کو بیان
کرتے ہیں فرہنگ جہانگیری کا مصنف ابن فخر الدین انجوئی اور اور مصنف ایرانی کہتے ہیں کہ
عربی زبان کی فصاحت کسی اور زبان کو سوا دوری کے نسبت دینی گناہ ہے۔ یہ حدیث ہے کہ
اذا اراد السد امر فیه لین اوی الی الملائکۃ المقربین بالفارسیۃ الدریۃ واذ اراد ان
امر فیه شدۃ اوی بہ الی الملائکۃ بالعربیۃ الخیرۃ ترجمہ جب خدا کسی زمر کا کام جاری کرے

انہیں پڑتی تھی۔ وہ اندر سے مذہب دریاؤں پر جاڑے میں نہانے کو توڑے کے روز دھونے کو
واجب جانتے ہیں ہر گرامیہ کی ضرورت کیوں ہونے لگی اور تنور کی حاجت کس لئے وہ تو روضہ
دہویا نہیں جاسکتا۔

وضع الفاظ سے عرضِ فادہ معنی مفرد ہی تنہا نہیں ہوتی بلکہ افادہ مرکبات اور بستوں سے
کہ اُنکے درمیان مثل فاعلیہ و مفعولیہ وغیرہ ہوں عرض ہوتی ہے۔ موجوداتِ عالم اور ان کے
اس کے تعلق یا جو حالتیں کیفیتیں فعل و افعال سے موجودات پر طاری ہوتی ہیں ہر ایک کا
نام کچھ نہ کچھ وضع کیا جاتا ہے جسکو اصطلاحِ صرف میں اسم کہتے ہیں جیسے زید۔ اسب۔ علم
نور۔ و ورنہ نا جن الفاظ سے موجودات کی حالتیں اور کیفیتیں نام نہ گذشتہ میں واقع ہو چکیں
بالفضل زمانہ میں موجود ہیں ہو رہی ہیں یا آئندہ ہوگی تمیز کریں انکو فعل کہتے ہیں جیسے وہ مریگا
وہ مرتا ہے وہ مریگا جو لفظ موجودات کے تعلق پر دلالت کرے اس کو حرف کہتے ہیں جیسے
کہ گھوڑے سے موہن زمین پر گر پڑا۔

(۳) قاضی عضد الدین صاحبِ اقت نے لکھا ہے کہ کبھی لفظ موضوع ہوتا ہر شخص معین کے
واسطے کبھی موضوع ہوتا ہے باعتبار اعمام کے اور وہ اسطرح ہوتا ہے کہ شخصیات میں یکا امر مشترک
دیکھا جاتا ہے ہر یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ موضوع ہر ایک شخصیات کے لئے ہے۔ موضوع کلی ہوتا ہے
اور موضوع کہ شخص ہوتا ہے جیسے کہ اسم اشارہ ہو کہ وہ موضوع ہے عام کے واسطے مگر سماہ اسکا
موضوع ہوتا ہے۔ انسان کا موضوع کلی ہے مگر موضوع کہ شخص ہے۔

(۴) بعض علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ الفاظ کی دلالت معانی پر محض وضع کے سبب ہونی ہر
واضع نے جو یا وضع کرو یا بغیر اسکے کہ لفظ و معنی میں کوئی مناسبت طبعی ہو۔ اکثر عالمو کیا یہ سبب
ہی مگر بعض عالم اسکے خلاف کہتے ہیں کہ لفظ و معنی میں ایک مناسبت طبعی ضرور ہونی چاہئے لفظ کے
لئے معنی تقاضا اختصار میں کہے ہیں اگر یہ مناسبت نہ ہو تو وضع کو لفظ کے مقابل معنی وضع کرنے
سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے۔ اول مذہب کی دلیل یہ کہ اگر دلالت لفظ باقتضائے ذات لفظ ہوتی
تو قریبوں شہروں ملکوں میں اختلاف سخن باقی نہ رہتا ہر شخص ہر لفظ کے معنی ایک ہی سمجھتا
لفظ کی ایک معنی کی نقل و کسر معنی میں محال ہوتی اس واسطے کہ جو شی ذات کے ساتھ لازمی ہے

شاید کہ وہ برد جو زد وغیرہ میں نقل احادیث کی لغت صرف ایک خاص شخص سے منسوب ہے پس اگر شخص ایسا معتدل زبان ہے کہ اس کا کلام مستند ہے تو وہ قابل اعتبار ہو گا۔ سوا بر نقل محض کے لغات کی معرفت قیاس سے بھی ہوتی ہے۔ اسانذہ قدیم کے کلام میں صد ہا الفاظ متبرک الاستعمال ایسے موجود ہیں کہ ان کے معانی صرف قیاس سے معلوم ہوتے ہیں اہل زبان ان کو بولتے نہیں جو ان کے معانی ان کے تحقیق ہوں۔ کتب لغات میں جو معانی آئے ہیں لکھے ہیں وہ قیاسی ہوتے ہیں +

(۵) اختلاف لغات۔

لغات کے الفاظ و معانی میں اختلاف کئی سبب سے ہوتا ہوا دل محض نقل کے تو اثر میں اختلاف۔ ایک فریق کے پاس ایک لفظ کسی نقل تو اثر سے چلا آتا ہے دوسرے کے پاس کسی اور طرح سے منقول ہے دوم ذات لفظ میں کچھ اختلاف نہیں ہوتا مگر معنی میں اختلاف ہوتا ہے مثلاً لفظ خدا ہے کوئی اس کے معنی خود آئندہ یعنی واجب الوجود کے بتاتا ہے کوئی اس کے معنی صاحب کے بتاتا ہے جیسے کہ خدا۔ کہ بالو۔ نا خدا بعض دفعہ الفاظ میں یہ اختلاف ہوتا ہے کہ کوئی اس کو کسی زبان کا لفظ بتاتا ہے کوئی کسی زبان کا مثلاً لفظ اللہ کوئی اس کو عبرانی کہتا ہے کوئی عربی۔ کوئی سریانی۔

سوم الفاظ کی حرکات و سکنات میں اختلاف ہوتا ہے۔ فتحہ۔ کسرہ۔ ضمہ سکون حرکت تخفیف تشدید میں ایک دوسری جگہ بولتے ہیں۔

چہارم جب ایک زبان کے لغات دوسری زبان منتقل ہوتے ہیں تو اہل زبان اپنی زبان کے موافق انہیں تصرف کرتے ہیں اس کو ان میں اختلاف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف انہی طرح کے ہوتے ہیں (۱) حرفوں کی حرکات و سکنات کا (۲) حروف کے تبدیل کا (۳) حذف از دیاد

کیفیت

لفظ

گر سنہ - فارسی زبان میں طرح سے بولتے ہیں ر پر سکون و زیر گر سنہ۔ گر سنہ۔ شغل - عربی زبان تین کی طرح شغل شغل شغل +

صفوۃ - عربی زبان میں کی طرح صفوۃ صفوۃ صفوۃ علیٰ یمن حرکیں
تشدید و تخفیف میں تغیر الفاظ غم - ہم - قد - حق - کف - خذ - طو - جو - اصل - نحو - رقوم -
حذف - تمکین و تمیز و تغیر و تغیر - امیر و میر و ضرورت - ضرور - ابد و نبیہ - ابو و بل و بوجہ
ابولہب و بولہب +

اختلاف امالہ و یجوہر میں دلج کا امالہ و یجوہر کیا -
اختلاف قلب یعنی مکان حروف کا آپس میں لٹا جیسے دروینہ و دروینہ - خروش و خروش
ہوشمند و ہوشمند - کنار سکران - میان - پیام +
اببدال - ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلنا یا سبب قریب مخرج کے - حروف صحیحہ
فارسی کہ عربی میں نہیں - تہ چار میں پ - چ - گ - ش - - ہا کو جنوب و تہ
قریب المخرج ہے بدل لیتے ہیں +

فہرست مضامین باب اول - انسان اور اس کی زبان

(۱) انسان کے نام جنسودہ میلاز جیون ہوتا ہے صفحہ (۲) الفاظ - کلمات - زبان علیٰ العمود صفحہ ۳
(۳) تصور کئے الفاظ یا کلمات کا علاقہ کا بنا - (۴) (۵) الفاظ کے معانی - (۵) - (۶) الفاظ
کا کچھ اور بیان - (۷) الفاظ اکثر کلی ہوتے ہیں - (۸) - (۹) ہر خاص شے اپنی خبری کا نام جدا جدا کہتا
ناکھن ہے - (۱۰) - (۱۱) الفاظ عام یعنی کلی الفاظ اس طرح بنائے جاتے ہیں - ۱۰

باب دوم - ۱۳ - ۲۲

زبان ہی ایک سائنس ہے فصل اول بعض اہمیتی مسائل

(۱) اونیویس صدی ۱۳ - (۲) زبان کی تحقیقات کی وسعت اور اس کی اور علوم سے نسبت - ۱۲
(۳) زبان کی اہل کی نسبت خیالات - ۱۴ (۴) سائنس اور آرٹ کی تعریف - ۱۵ - (۵) سائنس کی
ابتداء و انتہا - ۱۶ - (۶) سائنس کے لئے بکار آدہ ہونا بھی ضرور ہے - ۱۷ - (۷) زبان ہی - ۱۸
(۸) کوئی علم سائنس کے درجہ پر کیا پہنچتا ہے - ۱۸ - (۹) زبان کو سائنس کی وجہ کرنے کی ضرورت - ۱۹

فصل سوم زبان کی پیدائش و تحقیقات زبان

- (۱) زبان کا نشاں پیدائش میں درخت سا تھا۔ ۲۔ (۲) زبان کی پیدائش میں لہجہ مکمل کا اور
 محاورے کا اثر تھا۔ ۳۔ (۳) محاورات کا اثر۔ ۴۔ (۴) زبان کی نسبت متقدمین
 کی حیوانات سے۔ ۵۔ (۵) زمانہ قدیم میں غیر زبانوں کا مطالعہ۔ ۶۔ ۲۴۔
 (۶) زبان کی تحقیقات مختلف زمانوں میں۔ ۲۵۔ (۷) زبان سنسکرت۔ ۲۶۔
 (۸) زبان کا سامن بنتا۔ ۲۷۔ (۹) تاریخ سے زبان کے تعلقات۔ ۳۰۔
 (۱۰) زبانوں کا متحدناصل ہونا۔ ۳۱۔

فصل سوم زبان کی اصل

- (۱) زبان کی تحقیقات۔ ۳۲۔ (۲) زبان کی تحقیقات کا تاریخی حال۔ ۳۳۔
 (۳) وضع زبان اور لفظ کی نکات۔ ۳۴۔ (۴) زبان طبعی دریافت کرنے کے تجربے۔ ۳۵۔
 (۵) انسان و جانور میں نش رقی۔ ۳۸۔
 (۶) انسانی عقل کا نام غروم ہے۔ ۳۹۔ (۷) نفات کے مادے۔ ۴۱۔

باب سوم فارسی زبان۔ ۴۲۔ ۴۶

فصل اول فارسی زبان کا بیان

- (۱) کسی زبان کا حال اول سے آخر تک دریافت ہونا محال ہے۔ ۴۲۔ (۲) مشرقی تحقیقات۔ ۴۳۔
 (۳) زبان فارسی ہفتہ گانہ۔ ۴۵۔ (۴) مغربی علماء و محققین کی تحقیقات۔ ۴۶۔
 (۵) مسلمانوں کے عہد میں فارسی علم ادب کا بیان۔ ۵۰۔
 (۶) فارسی زبان کی فضیلت میں روایات و احادیث۔

فصل دوم

- (۱) دوسرے (۴۷) مشرقی محققین کی طرز تحقیقات۔ ۵۲۔
 (۲) مغرب لغت۔ ۵۵۔